
urdukutabkhanapk.blogspot
کرن کرن سورج
urdukutabkhanapk.blogspot.com

واصف علی واصف

کِرن کِرن سُورج

نام کتاب ــــــــ کرن کرن سورج

اشاعتِ اوّل ــــــــ مارچ ۱۹۸۴ء

اشاعتِ ــــــــ جولائی 1999ء

تعداد ــــــــ ۱۱۰۰

سرورق ــــــــ محمد حنیف رامے

طابع ــــــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

قیمت ــــــــ 100 روپے

ناشر:

کاشف پبلی کیشنز

۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور، فون: ۵۳۰۰۴۳۸

آج کا مُہذب و مُتمدن انسان ایک عجیب صُورتِ حال سے دو چار ہے۔ اپنے آپ کو محفُوظ کرنے کی کوشش نے انسان کو غیر محفُوظ کر دیا ہے۔ زندگی تمام تر آسائشوں کے باوجُود کربِ مسلسل کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ نیکیوں کا ثمر تو دُور تک نظر نہیں آتا لیکن بدی کی فوری عاقبت راہ کی دیوار بنی ہُوئی ہے انسان اپنے علم' اپنے عمل' اپنے حالات' اپنی خواہشات' اپنی عادات' غرضیکہ اپنے آپ سے نجات چاہتا ہے' اپنی گرفت سے آزادی چاہتا ہے۔ بے نام اندیشوں کی آندھیاں اُمید و آگہی کے چراغوں کو بجھاتی جا رہی ہیں۔ آج کے انسان کی فکری صلاحیتیں مُنتشر ہو کر رہ گئی ہیں۔ قائدین کی بُہتات نے قیادت کا فقدان پیدا کر دیا ہے۔ وحدتِ آدم، جمعیت التفریق بن کے رہ گئی ہے۔ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ انسان کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں۔ مُستقبل واضح نہ ہو تو حال اپنی تمام تر آسُودگیوں کے باوجُود بے معنی نظر آتا ہے۔ آج مسیحائی کا دعویٰ ایک وبائی صُورت اختیار کر چکا ہے جب کہ ہر آدمی کے سر پر کتبہ گڑا ہوا ہے اور تعزیت کرنے والا اپنے آپ سے تعزیت کر رہا ہے۔ زندگی کے جائز ناجائز تقاضے اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ انسان بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں اندر سے ٹُوٹ رہا ہے۔ علم بڑھتا جا رہا ہے' پھیلتا جا رہا ہے' لائبریریاں کتابوں سے بھری جا رہی ہیں اور انسان کا دل سکون سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ آسائشوں کے حصول کا جنون آکاس بیل کی طرح انسان کی سوچ اور اس کے احساس کو لپیٹ میں لے چکا ہے۔ آج اگر سقراط دوبارہ پیدا ہو جائے

تو اسے دوبارہ زہر پینا پڑے گا۔ آج احساس مر چکا ہے۔ آج کی ٹریجڈی یہ ہے کہ ٹریجڈی مر چکی ہے اور اس پر ماتم کرنے کا کسی کے پاس وقت نہیں۔ یہ بات انسان کی سمجھ سے باہر ہے کہ زمین کے سفر میں آسمان کے احکام کیوں اور کس لیے ہیں! مشینوں نے انسان سے مروت چھین لی ہے ۔۔۔ گناہوں نے دعائیں چھین لی ہیں، روشنی نے بینائی چھین لی ہے ۔۔۔ ایسے عالم میں ایک چھوٹی سی کتاب کیا دعویٰ رکھ سکتی ہے؟ لیکن مقام غور ہے کہ انسانوں کے اژدحام اور سیلِ بے پایاں کے باوجود ایک پیدا ہونے والا بچہ کتنے وثوق اور یقین سے تشریف لاتا ہے اس اعلان کے ساتھ کہ "بہت کچھ ہو چکا ہے لیکن ابھی اور بہت کچھ باقی ہے۔"

رات کی تاریکی میں دُور سے نظر آنے والا چراغ روشنی تو نہیں دے سکتا لیکن ایسی کیفیات مرتب کرتا ہے کہ مسافر مایوسی سے نکل کر اُمید تک آ پہنچتا ہے ۔۔۔ اور اُمید سے یقین کی منزل دو قدم پر ہے۔

صاحبِ خیال کے پاس خیال بے آواز و بے الفاظ آتا ہے لیکن خیال کا اظہار محتاجِ الفاظ ہے۔ اکثر اوقات الفاظ خیال کا حجاب بن جاتے ہیں اس لیے استدعا ہے کہ قاری کی نگاہ اس خیال پر بھی رہے جو الفاظ میں موجود ہے اور اس خیال پر بھی جس کا الفاظ کے دامن میں سمٹنا محال تھا!

فیصل
22 نومبر بروز ہفتہ
اردو بازار لاہور

آباد شہر کی اُس مسجد کے نام
جس میں لاؤڈ سپیکر نہیں ہوتا

پیش رس

پیش رس سے مراد یہ نہیں کہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد بیان کیا جائے۔ کتاب اپنا مقصد خود ہی بیان کرتی ہے۔ اور اس کتاب کو تو کس حد تک کتاب کہنا مناسب ہے۔ قاری ہی فیصلہ کرے گا۔ دراصل یہ چند کلیاں ہیں نشاطِ روح کی جنہیں گلستانِ طریقت سے چُنا گیا اور جن سے اصلاحِ احساس میسر آنا ممکن ہے۔ یہ "فیض" ہے کسی نگاہ کا، اور "فیض" میرا دعویٰ نہیں، صرف اظہارِ عقیدت ہے اِن صاحبانِ حال سے جن کے تقرب سے "حرفِ آرزو"، "حرفِ بے نیازی" ہو کر رہ جاتا ہے۔ صاحبِ حال کیا ہوتا ہے؟ اس کا بیان مشکل ہے۔

حال، جذب و سلوک کی درمیانی حالت کا نام ہے۔ صاحبِ حال بیک وقت سالک بھی ہے اور مجذوب بھی۔ وہ اپنے آپ کو حیاتِ کائنات کی وجہ بھی سمجھتا ہے اور نتیجہ بھی۔ وہ اپنی مستی اور اپنے کیف سے کبھی رنگ کو بے رنگ دیکھتا ہے اور کبھی بے رنگ کو رنگین۔ صاحبِ حال کیفیت

کے اس مقام پہ ہوتا ہے جہاں تحیّر بھی ہے اور شعور بھی، جہاں جنون بھی ہے اور آگہی بھی۔ صاحبِ حال کے سامنے ماضی، حال، مستقبل ایک ہی زمانہ ہے۔ صاحبِ حال اشیاء و اسماء کے معنی و مفاہیم سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ جلوؤں سے رعنائی لے کر عروسِ خیال کو آراستہ کرتا ہے وہ اس منزل پہ ہوتا ہے جہاں سفر ہی مدعائے سفر ہے۔ وہ تلاشِ ذات میں گم، علم کے چشموں سے نکلتا ہوا، خود آگہی کے ایسے دشتِ وحشت میں پہنچتا ہے جہاں نہ فراق ہے نہ وصال ہے، نہ کوئی اپنا ہے نہ غیر ہے۔ صاحبِ حال ممکن اور محال سے نجات پا چکا ہوتا ہے۔ وہ سکوت سے ہمکلام رہتا ہے۔ وہ ذرّوں کے دل کی دھڑکن سنتا ہے۔ اس کی نگاہ وجود اور موجود کے باطن پہ ہوتی ہے۔ وہ قطرے میں سمندر اور ذرّے میں صحرا دیکھتا ہے۔ وہ زاغ و طاؤس کو ایک ہی جلوے کے روپ سمجھتا ہے۔ وہ حقیقت اور خواب کے رشتوں پہ غور کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خواب میں خواب کو خواب سمجھ لینا ہی ابتدائے عرفانِ حقیقت ہے۔ وہ ذات و صفات کے تعلق پہ نگاہ رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ عیاں کا رابطہ ہر حال میں نہاں سے رہے گا۔ صاحبِ حال زندگی سے موت کی آگہی حاصل کرتا ہے اور موت سے زندگی کا شعور۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی موت کی حفاظت و پناہ میں ہے۔ صاحبِ حال خود ہی آخری سوال ہے اور خود ہی اس کا آخری جواب۔ وہ ہنستا ہے بے سبب، روتا ہے بے جواز

صاحبِ حال بغیر حال کے سمجھ نہیں آتا۔ صاحبِ حال کا قال بھی حال ہے، اس کی خاموشی بھی حال ہے، اس کا قرب حال پیدا کر سکتا ہے، جیسے آگ کا قرب لوہے کے ٹکڑے میں آگ کی صفت پیدا کر سکتا ہے۔ صاحبِ حال نعمت سے منعم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسے مصیبت میں بھی مشیّت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ بہر حال صاحبِ حال اپنے وجود میں اپنے علاوہ بھی موجود رہتا ہے۔ یہاں صاحبِ حال کی تعریف کرنا مدعا نہیں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ صاحبانِ حال کے فیضِ نگاہ سے اظہارِ عقیدت کے طور پر یہ کتاب پیش کر رہا ہوں۔ خوبی ان کا فیض، خامی میری بشری کوتاہی۔ اس کتاب میں تسلسل نہ میرا مدعا ہے نہ اس کا امکان۔

ہو سکتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں ایک بات سچ ہو اور دوسرے وقت میں اس کے برعکس بات بھی اتنی ہی صداقت ہو۔ زمین پر چاند ایک جلوۂ پُرنور ہے، چاند پہ پہنچ کر چاند بے نور ہے۔

صداقت میں تضاد یا Paradox کا ہونا صداقت کی نفی نہیں۔ صداقت کی ضد صرف باطل ہے اور سب سے بڑی صداقت یہ ہے کہ اس کائنات میں باطل کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ رات صداقت ہے دن بھی صداقت۔ زندگی حق ہے، موت برحق، میں اور تُو، تُو اور میں، حقیقت ہی حقیقت۔ دولت حقیقت، غریبی حقیقت، خیال، عمل، کوتاہیِ عمل، تدبیر، تقدیر سب صداقتیں ہیں۔

دراصل صداقت کی تعریف کرنا بھی مشکل ہے۔ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ صداقت صادق کے قول کو کہتے ہیں۔ یہی سب سے بڑا راز ہے۔ یہی عجب نکتہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت اس حد تک معتبر تھی کہ لوگوں نے ان کے کہنے پر بغیر تحقیق اور پہچان کے اللہ کو تسلیم کر لیا۔ یہ تسلیم ہی پیغمبروں کا اصل معجزہ ہے۔ دراصل ایمان اعتمادِ شخصیت کا ہی نام ہے۔

جس پر مجھے اعتبار ہے اسی کی بات معتبر ہے۔ اس کتاب میں میں ایسی ہی کچھ معتبر باتیں پیش کر رہا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ یا برعکس باتیں بھی آپ کو معتبر نظر آئیں۔ علم ایک اندازِ نظر ہے۔ انداز بدل جائے تو نظارہ بدل جاتا ہے۔ منظر اور پس منظر اپنی نظر کے نام ہیں۔ ہم بادشاہوں کے حالات کو تاریخ کہتے ہیں حالانکہ تاریخ رعایا کی حالت کا بھی نام ہے۔ مؤرخ بدل گیا تو تاریخ بدل جائے گی۔ کل کا غرور آج کی شرمندگی ہے۔ آج کا افتخار نہ جانے کب ندامت بن جائے۔

مدعا یہ ہے کہ یہ چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش ہیں کہ یہ میرا اندازِ فکر ہے۔ یہ عطا ہے اور عطا احساسِ تسلیم کا نام ہے۔ تسلیم میری اپنی ہے۔

اس کتاب پر خود کچھ نہیں کہنا چاہتا، قاری کی رائے کو قبل از وقت متاثر کرنے کی خواہش کو میں اچھا بھی نہیں سمجھتا۔ اس لیے میں اپنے بارے میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ تصنیف ہی مصنف کا تعارف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کا اصل ساتھی اور آپ کا صحیح تشخص آپ کے اندر کا انسان ہے۔ اُسی نے عبادت کرنا ہے اور اُسی نے بغاوت، وہی دُنیا والا بنتا ہے اور وہی آخرت والا۔ اُسی اندر کے انسان نے آپ کو جزا و سزا کا مستحق بنانا ہے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کا باطن ہی آپ کا بہترین دوست ہے اور وہی بدترین دشمن۔ آپ خود ہی اپنے لئے دشوارئ سفر ہو اور خود ہی شادابئ منزل۔ باطن محفوظ ہو گیا تو ظاہر بھی محفوظ ہو گا۔

ایمان ہمارے خیال کی اصلاح کرتا ہے۔ شکوک و شبہات کی نفی کرتا ہے وسوسوں کو دل سے نکالتا ہے۔ ایمان ہمیں غم اور خوشی دونوں میں اللہ کے قریب رکھتا ہے۔ ہم ہر آزمائش میں پورے اترتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ خوشیاں دینے والا ہمیں غم کی دولت سے بھی نواز سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دولتِ یقین سے محروم نہیں ہونے دیتا۔



اسلام میں داخل ہونے کے بعد اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ دوسرے مسلمانوں پر فوقیت رکھتا ہے، تو اسے غلط سمجھیں۔ اپنی فضیلت کو فضیلت کے طور پر بیان کرنا ہی فضیلت کی نفی ہے، انسان کی کم ظرفی ہے، جہالت ہے۔ اصل فضیلت تو دوسروں کو فضیلت دینے میں ہے جیسا کہ علم میں دوسروں کو شامل کرنے کا نام علم ہے۔ ورنہ علم سے دوسروں کو مرعوب کرنا اور احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا تو جہالت ہے۔



کسی انسان کے کم ظرف ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنے پر مجبور ہو۔ دوسروں سے اپنی تعریف سننا مستحسن نہیں اور اپنی زبان سے اپنی تعریف عذاب ہے۔



عافیت اس بات میں نہیں کہ ہم معلوم کریں کہ کشتی میں سوراخ کون کر رہا ہے۔ عافیت اس بات میں ہے کہ کشتی کنارے لگے۔



اب کسی نبی نے دنیا میں نہیں آنا۔ لہٰذا دین کی تبلیغ کی عظیم ذمہ داری ہم سب پر ہے۔ اپنی اصلاح کے بعد یہی امت دنیا کی اصلاح کرے۔



جس نے لوگوں کو دین کے نام پر دھوکا دیا اُس کی عاقبت مخدوش ہے کیونکہ عاقبت دین سے ہے اور دین میں دھوکا نہیں۔ اگر دھوکا ہے تو دین نہیں۔



جو شخص اس لیے اپنی اصلاح کر رہا ہے کہ دنیا اس کی تعریف و عزت کرے، اُس کی اصلاح نہیں ہوگی۔ اپنی نیکیوں کا صلہ دنیا سے مانگنے والا انسان نیک نہیں ہو سکتا۔ ریاکار اُس عابد کو کہتے ہیں جو دنیا کو اپنی عبادت سے مرعوب کرنا چاہے۔



جب تک مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اعتماد نہ ہو، ہم توحید کی تصدیق نہیں کر سکتے۔



انسان کا اصل جوہر صداقت ہے، صداقت مصلحت اندیش نہیں ہو سکتی۔ جہاں اظہارِ صداقت کا وقت ہو وہاں خاموش رہنا صداقت سے محروم کر دیتا ہے۔ اس انسان کو صادق نہیں کہا جا سکتا جو اظہارِ صداقت میں ابہام کا سہارا لیتا ہو۔



دانا، نادانوں کی اصلاح کرتا ہے، عالم بے علم کی اور حکیم بیماروں کی۔ وہ حکیم علاج کیا کرے گا جس کو مریض سے محبت ہی نہ ہو۔ اسی طرح وہ مصلح جو گنہگاروں سے نفرت کرتا ہے ان کی اصلاح کیا کرے گا۔ ہر صفت اپنی مخالف صفت پر اثر کرنا چاہتی ہے لیکن نفرت سے نہیں، محبت سے۔



اگر زندگی بچانے کی قیمت پوری زندگی بھی مانگی جائے تو انکار نہ کرنا!!



باطن ایک علم ہے، جس کو عطا ہو جائے وہ اسے باطن نہیں کہتا بلکہ ظاہر ہی کہتا ہے۔ علم باطن کے لئے ظاہر میں آثار رہتا ہے۔ اسی طرح وہ غیب جس کا علم عطا ہو جائے وہ غیب نہیں کہلاتا۔ غیب وہ ہے جس کا علم بندے تک نہیں پہنچتا۔ یہ صرف اللہ کے پاس ہے۔ ایسے غیب کا تذکرہ بھی نہیں ہو سکتا اور اللہ کے لیے کچھ غیب نہیں۔



زندگی اور عقیدے میں فاصلہ رکھنے والا انسان منافق ہوتا ہے ایسا شخص نہ گناہ چھوڑتا ہے نہ عبادت۔ اللہ اُس کی سماجی یا سیاسی ضرورت ہوتا ہے، دینی نہیں۔ ایسے آدمی کے لیے مایوسی اور کربِ مسلسل کا عذاب بنتا ہے۔



غیر یقینی حالات پر تقریریں کرنے والے، کتنے یقین سے اپنے مکانوں کی تعمیر میں مصروف ہیں!



ہم صرف زبان سے اللہ اللہ کہتے رہتے ہیں۔ اللہ لفظ نہیں۔ اللہ آواز نہیں۔ اللہ پکار نہیں، اللہ تو ذات ہے۔ مقدّس و ماورا۔ اس ذات سے دل کا تعلق ہے، زبان کا نہیں۔ دل اللہ سے متعلق ہو جائے تو ہمارا سارا وجود دین کے سانچے میں ڈھل جانا لازمی ہے۔



میاں بیوی کو باغ و بہار کی طرح رہنا چاہیے۔ وہ باغ ہی کیا جو بہار سے بیگانہ ہو اور، وہ بہار ہی کیا جو باغ سے نہ گزرے۔ یہ اس کے دم سے وہ اس کی وجہ سے!!



اگر اللہ تعالے رحمت کے جوش میں مخلوق کو معاف فرما دے۔ تو کیا ہوگا؟ موت کا منظر مرنے کے بعد؟ کیا اللہ معاف کرنے پہ قادر نہیں؟



انسان حادث ہے اللہ قدیم۔ حادث نے قدیم کے مقام و مزاج کی اطلاع دنیا کو دی۔ یا یوں کہیے کہ قدیم نے اپنے بارے میں دنیا کو اطلاع حادث کے ذریعہ دی ——— حادث اور قدیم کس مقام پر ایک دوسرے کے متعلق جاننا شروع کرتے ہیں، اس کا جاننا بہت مشکل ہے اور اس کا جاننا ہی بہت اہم ضروری ہے۔!



پرانے بادشاہ ہاتھی کی سواری سے جلالِ شاہی کا اظہار کرتے تھے۔
آج ہمارے بچے چڑیا گھروں میں ہاتھی کی سواری سے دل بہلاتے ہیں۔



سچے انسان کے لیے یہ کائنات عین حقیقت ہے اور جھوٹے کے لیے یہی کائنات حجابِ حقیقت ہے۔



باز اور شکروں کی موجودگی کے باوجود چڑیا کے بچے پرورش پاتے رہتے ہیں۔ آندھیاں سب چراغ نہیں بجھا سکتیں۔ شیر دھاڑتے رہتے ہیں اور ہرن کے خوبصورت بچے کلیلیں بھرتے رہتے ہیں۔ یہ سب [illegible] کے کام ہیں۔ اس کی پیدا کردہ مخلوق اپنے اپنے مقررشدہ طرزِ عمل سے گزر [illegible] ہے۔ فرعون نے سب بچے ہلاک کر دیے مگر وہ بچہ بچ گیا۔ یہ سب [illegible]

کے کام ہیں۔ زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ رکھی، مچھر اور جوہے اب بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جراثیم کش دوائیں نئے جراثیم پیدا کرتی ہیں۔ طبِّ مشرق و مغرب میں بڑی ترقی ہوئی، بیماریوں میں بھی اضافہ ہوا۔ انسان کل بھی دکھی تھا، آج بھی سکھی نہیں، علاج خالق کے قرب میں ہے۔ لوگ کیوں نہیں سمجھتے!



رزق صرف یہی نہیں کہ جیب میں مال ہو، بلکہ آنکھوں کی بینائی بھی رزق ہے۔ دماغ میں خیال رزق ہے۔ دل کا احساس رزق ہے۔ رگوں میں خون رزق ہے، یہ زندگی ایک رزق ہے، اور سب سے بڑھ کر ایمان بھی رزق ہے۔



بندے اللہ کی طرف یا خوف کی وجہ سے رجوع کرتے ہیں یا شوق کی وجہ سے۔ گردشِ روزگار میں خوف پیدا ہوتا ہی رہتا ہے اور لوگ اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہی رہتے ہیں۔ شوق عنایتِ ازلی ہے۔ یہ بڑے

نصیب کی بات ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لوگ اللہ کو اس لیے تلاش کرتے ہیں کہ اللہ ان کے بگڑے کام سنوارنے والا ہے اور اہلِ دل حضرات اس لیے اللہ کا تقرب مانگتے ہیں کہ ان کو قرار ملے، تسکین حاصل ہو، اطمینان نصیب ہو۔ خوف کی عبادت اور ہے اور سجدۂ شوق اور۔



جو شخص سب کی بھلائی مانگتا ہے، اللہ اس کا بھلا کرتا ہے جن لوگوں نے مہمانوں کے لیے لنگر خانے کھول دیے ہیں، کبھی محتاج نہیں ہوئے۔



توبہ جب منظور ہو جاتی ہے تو یادِ گناہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔



اللہ کے محبوبؐ کی محبت ہی عطائے الٰہی ہے۔ حضورؐ اقدس سے محبت ایمان کی اصل ہے۔

دین کیا ہے عشقِ احمدؐ کے سوا
دین کا بس اِک یہی معیار ہے

عشقِ مصطفٰےؐ میں فراق بھی عطا ہے اور وصال بھی۔ حضورؐ سے محبت کرنے والے حضورؐ کی امت کے ہر فرد سے محبت کرتے ہیں۔ امت کی فلاح کی دعائیں مانگتے ہیں۔ حضورؐ کے کوچے کی گدائی کو اپنے لیے تاجِ شاہی سمجھتے ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں۔ حضورؐ کے طالب اس کائنات کو آئینۂ جمالِ مصطفٰےؐ سمجھتے ہیں اور جمالِ مصطفٰےؐ کو پرتوِ انوارِ کبریا سمجھتے ہیں۔



جب عزّت اور ذلّت اللہ کی طرف سے ہے، رنج و راحت اللہ کی طرف سے ہے، دولت اور غریبی اللہ کی طرف سے، زندگی اور موت اللہ کی طرف سے، تو ہمارے پاس تسلیم کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے؟



تلاشِ حقیقت، تلاشِ حق آگاہ، تلاشِ صاحب دلاں، تلاشِ امامِ زماں، یا تلاشِ محرمِ اسرار کسی جغرافیائی سفر کا نام نہیں۔ سِندباد کے سفر اور متلاشیِ حق کے سفر میں بڑا فرق ہے۔ حقیقت کے سفر کے لیے پہلے اپنے آپ میں اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا چاہیے۔ آئینۂ دل جتنا مُصفّا ہوگا اتنا ہی آسانی سے جلوۂ حق قبول کر سکے گا۔ اللہ کا قرب، پیشانی کو سجدے میں رکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ سجدہ یہاں ہے، تعلق وہاں۔ درود شریف یہاں ہے منظوری وہاں۔ حاصل یہ کہ پہلے اپنی ہی اصلاح ہے، خود کو اس قابل بنانا ہے کہ جلوے کا مفہوم سمجھ آسکے۔ بوجہل کو دیدار سے تقرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اویس قرنیؓ کو تقربِ مکانی کے بغیر ہی دیدار حاصل ہوتا ہے۔ مخلصین کو ابتدائے سفر میں ہی منزلوں کا سلام آتا ہے۔



ہماری آنکھوں کے سامنے عجائبات ہیں لیکن ہم دیکھتے نہیں ۔ ایک معمولی سی بے عقل، بے شعور گائے کتنا بڑا کرشمہ ہے، فطرت کا عجوبہ؛ گھاس سے دودھ بنانے والا حیرت انگیز کارنامہ ـــــ ہم کیوں نہیں دیکھتے۔



اپنے حال پر افسوس کرنا، اپنے آپ پر ترس کھانا، اپنے آپ کو لوگوں میں قابلِ رحم ثابت کرنا، اللہ کی ناشکرگزاری ہے۔ اللہ کسی انسان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ بیمار اور لاغر روحیں ہمیشہ گلہ کرتی ہیں، صحت مند اروح شکر، زندگی پر تنقید، خالق پر تنقید ہے اور یہ تنقید ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔



ایک انسان نے دوسرے سے پوچھا: "بھائی! آپ نے زندگی میں پہلا جھوٹ کب بولا؟" دوسرے نے جواب دیا: "جس دن میں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔"



اپنے علم کو عمل میں لانے کے لیے یقین کے ساتھ ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔



اگر نوحؑ کی التجا، دعا یا خواہش کے باوجود ان کا بیٹا طوفان سے نہیں بچایا گیا تو اس میں نوحؑ کی نبوت پر کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو ایک معمولی انسان کی دعا قبول کر لے چاہے تو نبی کی بات ٹال دے۔ اللہ بے نیاز ہے۔



ہر انسان ہر دوسرے انسان سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ایک انسان دوسرے کے پاس سے خاموشی سے گزر جائے تو بھی اپنی تاثیر چھوڑ جاتا ہے۔ انسان دوسرے انسان کے لیے محبت، نفرت اور خوف پیدا کرتے ہی رہتے ہیں۔

ایسے بھی ہوتا ہے کہ انسان صرف نظر ڈال کر دوسرے انسان کے مسائل حل کرنے سے باشعور کر دے۔ اسے عارف بنا دے۔ کچھ انسانوں کا قرب ہی علم کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یا اپنے قریب آنے والے اور پاس سے گزرنے والے اور نگاہوں میں رہنے والے انسانوں سے انسان بہت کچھ حاصل کرتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ۔



انسان دوسرے کی دولت دیکھ کر اپنے حالات پر اس قدر شرمندہ کیوں ہوتا ہے۔ یہ تقسیم تقدیر ہے۔ ہمارے لیے ہمارے ماں باپ ہی باعث تکریم ہیں۔ ہماری پہچان ہمارا اپنا چہرہ ہے۔ ہماری عاقبت ہمارے اپنے ذہن میں ہے۔ اسی طرح ہماری خوشیاں ہمارے اپنے حالات اور اپنے ماحول میں ہیں۔ مور کو مور کا مقدر ملا، کوّے کو کوّے کا۔ ہم یہ نہیں پہچان سکتے کہ فلاں کے ساتھ ایسا کیوں اور ہمارے ساتھ ویسا کیوں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا: "اے رب العالمین آپ نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟"

اللہ نے جواب دیا: "عجب بات ہے، ابھی ابھی چھپکلی پوچھ رہی تھی: 'اے رب! تم نے موسیٰ کو آخر کیوں پیدا کیا؟'" بات وہی ہے کہ انسان اپنے نصیب پر راضی رہے تو اطمینان حاصل کرے گا۔ نصیب میں تقابل[1] جائزہ ناجائز ہے۔

1- مقابلہ



اس دنیا میں انسان نہ کچھ کھوتا ہے نہ پاتا ہے۔ وہ تو صرف آتا ہے اور جاتا ہے۔



تکلیف آتی ہے:

ہمارے اعمال کی وجہ سے۔

ہماری وسعتِ برداشت کے مطابق۔

اللہ کے حکم سے۔

ہر تکلیف ایک پہچان ہے اور یہ ایک بڑی تکلیف سے بچانے کے لیے آتی ہے۔



انکار۔ اقرار کی ایک حالت ہے، اس کا ایک درجہ ہے۔ انکار کو اقرار تک پہنچانا صاحبِ فراستؔ کا کام ہے، اسی طرح کفر کو اسلام تک لانا صاحبِ ایمان کی خواہش ہونا چاہیے۔

1 = دانا۔ تمیز۔ فہمی



صحت کے لیے خوراک ضروری ہے لیکن خوراک صحت نہیں۔



جس طرح موسم بدلنے کا ایک وقت ہوتا ہے اسی طرح وقت کے بدلنے کا بھی ایک موسم ہوتا ہے۔ حالات بدلتے ہی رہتے ہیں۔ حالات کے ساتھ حالت بھی بدل جاتی ہے۔ رات آجائے تو نیند بھی کہیں سے آہی جاتی ہے۔ وہ انسان کامیاب ہوتا ہے جس نے ابتلاؔ کی تاریکیوں میں امید

1 = آزمائش۔ امتحان۔ مصیبت

کا چراغ روشن رکھا۔ اُمید اس خوشی کا نام ہے جس کے انتظار میں غم کے ایام کٹ جاتے ہیں۔ امید کسی واقعہ کا نام نہیں یہ صرف مزاج کی ایک حالت ہے۔ فطرت کے مہربان ہونے پر یقین کا نام امید ہے۔



جو ذات شکمِ مادر میں بچے کی صورت گری کرتی ہے وہی ذات خیال کی صورت گر بھی ہے اور وہی ذات عمل کی صورت بھی پیدا فرماتی ہے۔ ہر چہرہ ایک Range میں تاثیر رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر خیال ایک دائرۂ تاثیر رکھتا ہے اور ہر عمل کا ایک دور ہے جس میں وہ مؤثر ہوتا ہے۔ اپنے دائرے سے باہر ہر مؤثر شے بے تاثیر ہو جاتی ہے۔ کچھ چہرے، خیال اور اعمال صدیوں پر محیط ہوتے ہیں اور زمانوں پر حاوی ہوتے ہیں۔



جن مسلمانوں پر اسلام نافذ نہ ہو سکے ان مسلمانوں پر غور کرنا چاہیے۔
جو اسلام مسلمانوں پر نافذ نہ ہو سکے اس اسلام کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔
جو قوتِ نافذہ مسلمانوں پر اسلام نافذ نہ کر سکے اس قوت کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔



کائناتی نظام میں خیر و شر، اُجالا و اندھیرا، حق و باطل وغیرہ سب موجود ہیں یہ انسان کی بیرونی دنیا ہے۔ اُس کے اندرونی نظام میں بھی خیر و شر، یقین و وسوسہ وغیرہ پلتا رہتا ہے۔ ایک بندۂ مومن اپنے یقین و ایمان سے وسوسوں کو ختم کرتا ہے اور خیر کی راہ اختیار کرتا ہے۔



گناہوں میں مبتلا انسان کا دعاؤں پہ یقین نہیں رہتا۔



بارگاہِ رسالتؐ میں ہدیۂ درود بھیجنے کے لیے غریبی رکاوٹ نہیں۔
حضورِ اکرمؐ غریبوں میں غریب، یتیموں میں یتیم، مہاجروں میں مہاجر اور سلاطین میں سلطان زمانہ تھے۔ معاشی ناہمواریاں آپؐ کے قرب کی راہ میں رکاوٹ نہیں، نہ سرمایہ آپؐ کے تقرب کی ضمانت۔



سمندر کا وہ پانی جو سمندر سے باہر ہوا اُسے دریا، جھیل، بادل، آنسو، شبنم کچھ بھی کہہ دو، لیکن پانی کا وہ حصہ جو سمندر میں شامل ہو جائے، وہ سمندر ہی کہلائے گا۔



جس کا رسالتؐ پر ایمان نہ ہو وہ موحدؔ[1] بھی کافر ہوگا۔

1۔ خدا کو ماننے والا



زندگی سے تقاضا اور گلہ نکال دیا جائے تو سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ سکون اللہ کی یاد سے اور انسان کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ نفرت اضطراب پیدا کرتی ہے۔ اضطراب اندیشے پیدا کرتا ہے اور اندیشہ سکون سے محروم کر دیتا ہے۔ محبت نہ ہو تو سکون نہیں۔



انسان کسی کو شریکِ زندگی بنانے سے پہلے اس کے حال اور ماضی کو دیکھتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ اس کی رفاقت میں اس نے مستقبل گزارنا ہے۔ کامیاب ازدواجی زندگی اللہ کا احسان ہے۔



ایک انسان کو زندگی میں با اعتماد ہونے کے لیے یہ حقیقت ہی کافی ہے کہ اس سے پہلے نہ تو کوئی اس جیسا انسان دنیا میں آیا نہ اس کے بعد ہی کوئی اس جیسا آئے گا۔ یہ عظیم انفرادیت بہت بڑا نصیب ہے۔



آج کا انسان اس لیے خوف زدہ ہے کہ وہ لذتِ شوق سے محروم ہے۔ کثیر المقاصد زندگی خوف سے نہیں بچ سکتی۔ رحمتِ حق سے مایوسی ہی خوف پیدا کر رہی ہے۔ لالچ ختم نہ ہو تو خوف کیسے ختم ہو۔ انسان اپنے آپ کو جتنا محفوظ کرتا ہے اتنا ہی غیر محفوظ ہوتا جا رہا ہے، گویا زندگی اپنی "حصار بندیوں" اور "حفاظتوں" کی زد میں آ گئی ہے۔ ہر طرف خوف ہی خوف ہے۔ اس خوف سے بچنے کا واحد ذریعہ اپنی جبینِ شوق کو سجدوں سے سرفراز کرنے میں ہے۔



غافل کی آنکھ اس وقت کھُلتی ہے جب بند ہونے کو ہوتی ہے ۔



ذکر سے محویت حاصل کرو ــــــــــــ سکون مِل جائے گا۔



اللہ کے محبوب اور اللہ کے ولی کِسی سے ایک دفعہ تعلق قائم کرنے کے بعد اس تعلق کو توڑتے نہیں ۔ بازو پکڑنے کی لاج رکھتے ہیں ۔ اللہ انسانوں سے بے نیاز ہے لیکن اللہ والے بے نیاز و بے پرواہ نہیں ہوتے ، اسی لیے تو وہ اللہ والے کہلاتے ہیں یعنی اللہ والے انسانوں والے ہوتے ہیں، اللہ کا قرب ملتا ہی انسانوں کی خدمت اور ان کی محبت سے ہے ۔



ایسے بھی اللہ والے آتے رہتے ہیں جو زندگی بھر گمنام رہتے ہیں ۔ معاشرے کی نگاہوں سے اوجھل کھلنے والے گلاب، گلاب ہی کہلائیں گے۔ یہ اللہ کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو کس حال سے گزارے ۔ کہیں کسی کو بادشاہِ تخت نشین کر دیتا ہے کہیں کاسۂ گدائی عطا فرماتا ہے ۔ صاحبانِ محبت و وفا ہر حال سے بخوشی گزرتے رہتے ہیں ۔ صاحبِ تعلق کے لیے ستم بھی اندازِ کرم ہے ۔



معرفت ہمہ وقت تحیّر[1] میں رہنے کا نام ہے ۔ اسماء کی پہچان سے اشیاء کی پہچان کرنا ۔ ظاہر کے مشاہدے سے باطن کا علم حاصل کرنا ۔ معرفت وہ حکمت ہے جو کثرت سے وحدت کا راستہ دکھاتی ہے ۔ قادرِ مطلق کی قدر کے سامنے کسی کی قدر پر نظر نہ ڈالنا معرفت ہے ۔ انتہا یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ ہم اللہ کو جان نہیں سکتے، بس مان ہی سکتے ہیں ۔

1۔ تعجب ۔ حیرت ۔ اچنبا



حالات اور وقت کی تبدیلیوں سے بدلنے والے تعلقات سے بہتر ہے کہ انسان تنہا رہے۔



ترقی یا ارتقا ضروری ہے لیکن ـــــ گہوارے سے نکل کر اپنی قبر تک کتنی ترقی چاہیے ـــــ ؟ اصل ترقی یہ ہے کہ زندگی بھی آسان ہو اور موت بھی مشکل نہ رہے !!



دعا پر اعتماد ہی نیکی ہے۔ جب ہم تنہائی اور خاموشی میں دعا مانگتے ہیں تو ہم اس یقین کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا اللہ تنہائی میں ہمارے پاس ہے اور وہ خاموشی کی زبان بھی سنتا ہے۔ دعا میں خلوص آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے اور یہی آنسو دعا کی منظوری کی دلیل ہیں۔ دعا مومن کا سب سے بڑا

سہارا ہے۔ دعا ناممکنات کو ممکن بنا دیتی ہے۔ دعا زمانے بدل دیتی ہے۔ دعا گردشِ روزگار کو روک سکتی ہے۔ دعا آنے والی بلاؤں کو ٹال سکتی ہے۔ دعا میں بڑی قوت ہے جب تک سینے میں ایمان ہے، دعا پر یقین رہتا ہے۔ جس کا دعا پر یقین نہیں اس کے سینے میں ایمان نہیں۔ اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں ہماری دعاؤں کی افادیت سے مایوس نہ ہونے دے۔



ہمیں جب اپنی فلاح کا یقین ہو جائے ہم دوسروں کو ان کی فلاح کے لیے تبلیغ کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ جنت کی نعمتوں میں شریک ہوں۔ ہمارے دعوے کی صداقت کا ثبوت صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اس کو اپنی موجودہ زندگی کی آسائشوں میں بھی شریک کریں۔



عشقِ الٰہی درحقیقت عشقِ محبوبِ الٰہیؐ ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی محبت عطا کرتے ہیں، اور اللہ اپنے محبوبؐ کی محبت عطا فرماتا ہے۔ محبت محبوب کی اطاعت ہے۔ یہ مجبوری کی نفی کا نام ہے۔ ایثار محبت کا اعجاز ہے۔ محبت حیرت پیدا کرتی ہے، محویت اور بیداری پیدا کرتی ہے۔ زندگی کے عصری کرب سے نجات کا واحد ذریعہ محبت ہے۔!!



جو انسان اپنی ذات کے ساتھ مخلص نہیں وہ دوسروں کے ساتھ کیا مخلص ہوگا۔ اسی کو مخلص دوست ملیں گے جو خود دوستوں سے مخلص ہو۔ جھوٹے کے لیے یہ سماج جھوٹا اور سچے کے لیے سچا ہے۔ جو انسان اپنے ساتھ مخلص نہیں وہ ضمیر کی آواز سے فرار حاصل کرنے کے لیے دنیاوی مشاغل میں خود کو مصروف کرتا جاتا ہے تاکہ اسے سکون و راحت ملے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جن مادی اشیاء کو اکٹھا کر کے وہ کبھی خوشی محسوس کرتا تھا، اب انہیں حاصل کرنے کے بعد بھی

خوشی نہیں ملتی ۔ اس کی روح بے چین رہتی ہے ۔ ایسی حالت میں اگر وہ اپنی ضرورت سے زائد روپے پیسے اور دوسری اشیاء کو اللہ کی مخلوق میں تقسیم کرنا شروع کر دے تو روح کی خوشی اور سکون لوٹ آئے گا ۔



سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ نیک لوگ فی سبیل اللہ اکٹھے ہو جائیں علماء و مشائخ اکٹھے ہو جائیں ۔ جب تمام جماعتیں اکٹھی ہو گئی تھیں تو نظامِ مصطفےٰؐ وہیں قائم ہو گیا تھا ۔ الگ ہو گئے تو سفر طویل ہونے لازمی ہیں ۔ اسلام میں سب سے بڑی نیکی اجتماع ہے ۔ اختلاف مٹاؤ ۔ جیسے بکھرے ہو ویسے سمٹو ۔ کلمہ طیب ہی کلمۂ توحید ہے ۔ کلمے کی وحدت سے ایک بار پھر وہ زمانہ آ سکتا ہے جس کا سب کو انتظار ہے ۔ ہم خود اپنی راہ میں رکاوٹ ہیں ۔ توحید جہاں اللہ کی وحدانیت ہے وہاں ملت کی وحدت کا بھی نام ہے ۔

ع : یہی توحید تھی جس کو نہ تُو سمجھا نہ مَیں سمجھا ۔



ہر مبلّغ کو یہ سوچنا چاہیے کہ جو آدمی اُسے پسند نہیں کرتا وہ اس کے دین کو کیسے پسند کرے گا۔ دین کو پسندیدہ ظاہر کرنے کے لیے اپنا عمل پسندیدہ بناؤ۔ اپنی شخصیت پسندیدہ بناؤ۔ دوسرے کا مزاج، اس کی عقل، اس کی ضرورت کو سمجھ کر اس کو تبلیغ کرو۔ ناسمجھ کے ہاتھ میں صداقت کی لاٹھی دوسروں کو بدظن کر دے گی۔



اسلام نے مسلمان کو زندگی اور زندگی کے لوازمات کا امین بنایا ہے۔ مسلمان ان نعمتوں کا محافظ ہے جو اللہ کریم نے اسے عطا فرمائیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے باطنی اور ظاہری وجود کی حفاظت کریں۔ باطنی وجود کی حفاظت کا مطلب خیال کی حفاظت، ایمان کی حفاظت، احساس کی حفاظت، فکر و ذکر کی حفاظت اور غم اور خوشی کی حفاظت ہے۔ ظاہری وجود کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اپنے وجود کی سرحد کا انسان خود ہی محافظ ہے۔ ہمیں احتیاط کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کچھ بھی ہمارے وجود میں شامل یا ہمارے وجود سے جدا نہ ہو مگر اللہ کے حکم سے۔ اس طرح ہم اپنی حفاظت کر کے اسلام کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اصل میں مسلمان کی حفاظت ہی اسلام کی حفاظت ہے۔



کسی شے سے اس کی فطرت کے خلاف کام لینا ظلم ہے۔



حُسن، عشق کا ذوقِ نظر ہے اور عشق قربِ حُسن کی خواہش کا نام ہے۔



اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینانِ قلب میسّر نہیں آ سکتا۔ جس عمل سے اطمینانِ قلب میسّر آئے وہ عمل بھی ذکر کا حصہ ہے۔ جس مقام یا انسان کے قرب سے اطمینانِ قلب حاصل ہو وہ مقام اور انسان بھی اللہ کے ذکر سے متعلق ہے۔ مثلاً ذکر سے اطمینان ہے تو ذاکر سے بھی اطمینان ملے گا اور مقامِ ذکر بھی باعثِ اطمینانِ قلب و جاں ہوگا۔ یوں کہیے کہ خانہ کعبہ کی زیارت، مدینہ منورہ کی حاضری، کربلائے معلّٰی کی حاضری، بزرگانِ دین کے آستانوں کی حاضری، اپنے مشائخ عظام کے درِ دولت پر حاضری سب ہی اطمینان کے ابواب ہیں۔ اور یہ سب ذکرِ الٰہی کی عظیم منزل کے عظیم راستے کے مقامات ہیں۔ نیت اللہ ہو، سارا سفر اللہ کا ذکر ہے۔



طریقت کے تمام سلاسل اپنے انداز میں بالکل صحیح ہیں لیکن ملّتِ اسلامیہ کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ ایک عظیم وحدت بن کر اُبھرے۔ مسلک اسلام سے ہے اسلام نہیں۔ اسلام اسلام ہے۔



کسی بڑے کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے لیے قوی جواز اور قوی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ سفر پر جانا ہو تو پہلے جانے والے مسافروں سے حالاتِ سفر معلوم کر لینا ضروری ہے۔ دریا کشتی کے ذریعے بھی عبور کرنا ہو تو تیرنے کا علم جاننا بہتر ہوتا ہے۔ بڑے کام کے لیے بڑی دلیل ضروری ہے۔ ہر کام ہر آدمی کے لیے نہیں۔ علم کا راستہ طے کرنے والے اور طرح کے لوگ ہوتے ہیں، تعلیم حاصل کرنے والے اور گھروں میں رہنے والے اور ہیں، سفر اختیار کرنے والے اور۔ اللہ کی راہ میں نکلنے والے اور ہیں اور ان کا راستہ روکنے والے اور۔ قوی دلیل جذبۂ شہادت تھا۔ سجدۂ شبیرؓ تھا۔ بڑا کام تھا، بڑی دلیل تھی، بڑا جواز تھا، بڑا نتیجہ ہے۔ بڑی بات ہے۔



قول ہے کہ دل کے دروازے پر دربان ہو کر بیٹھ رہو۔ یہ دیکھو تمہارے دل میں کونسی خواہش داخل ہو رہی ہے، کونسا جذبہ ابھر رہا ہے۔ جو خواہشات سفلی دنیا سے متعلق ہوں ان کو دل میں نہ آنے دو، جو جذبہ غیر اللہ کے لیے ہو اسے دل میں بند رہنے دو۔



خیر اور شر اللہ کی طرف سے ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ خیر اللہ کے قرب کی دلیل ہے اور شر، اللہ کی ناراضگی کا سبب۔ خیر اور شر کا اللہ کی طرف سے آنا ایسے ہی ہے جیسے زندگی اور موت اللہ کی طرف سے ہے۔ ہم زندگی کو پسند کرتے ہیں، موت سے بچنے کی تدابیر کرتے ہیں۔ دن اور رات بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ عزت اور ذلت بھی اللہ کی طرف سے۔ ہم عزت کے طالب ہیں۔ ذلت سے بچتے ہیں۔ شر پسند انسان یہ جواز نہیں دے سکتا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ہمیں آگاہ کیا جا چکا ہے کہ کون سا راستہ کدھر کو جاتا ہے اور کون سا عمل کیا نتیجہ برآمد کرتا ہے۔ خیر و شر کا معرکہ ہوتا ہی رہتا

ہے۔ شر کو شکست ہو جائے تو معافی مانگ کر خیر کے دامن میں ہی پناہ لے لیتا ہے۔ خیر اور شر کا وجود کبھی ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ کشمکش جاری رہتی ہے۔ انسان کے اندر اور اس سے باہر۔ خیر طلبی اللہ کی مہربانی ہے اور شر ہمارے نفس کی تمنا۔ ہم اپنے ارادوں کو احکامِ الٰہی کے تابع کر دیں تو یہ کشمکش ختم ہو جاتی ہے یا کم از کم ہو جاتی ہے۔ خدا ہمیں اپنے نفس کے شر سے بچائے۔ (آمین)



آرزو کا پیدا ہونا فطری بات ہے۔ انسانوں میں آرزوئیں پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی آرزو تا شکستِ آرزو تک سفر کرتی ہے۔ کوئی آرزو انسان کو بے نیازِ آرزو کر دیتی ہے۔ کوئی آرزو اسے گو مگو پھراتی ہے۔ کوئی آرزو اس کو اپنی ذات کے روبرو لاتی ہے اور کبھی کوئی آرزو اسے خوش قسمتی سے سرخرو کر دیتی ہے۔ کون سی آرزو کیا کرتی ہے، اس کا علم انسان کو ہونا چاہیے۔ ورنہ آرزو جگر کا لہو بن کر خون کا آنسو بنے گی۔



جو لوگ اللہ کی تلاش میں نکلتے ہیں وہ انسان تک ہی پہنچتے ہیں۔ اللہ والے انسان ہی تو ہوتے ہیں۔



سب سے بڑا بدقسمت انسان وہ ہے جو غریب ہو کر سنگدل رہے۔



حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ ہم پہ فرض ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ رحمت سب مخلوق تک پہنچائیں۔ اسلام خود ہی پہنچ جائے گا۔ دنیا کو جب رات کی تاریکی کے بعد روشنی میسر آتی ہے تو اس کی نظریں خود بخود سورج کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ سورج کا دین روشنی ہے۔ اپنے آپ کو منوانا نہیں۔



اللہ کی کتاب میں غور کرو۔ ایمان والوں کو دعوت ہے کہ اس کتاب سے راہِ ہدایت حاصل کریں۔ اس کتاب میں منفعت ہی منفعت ہے۔ جن اداروں نے اللہ کی کتاب کو چھاپ کر بیچا ہے ان سے کوئی اللہ والا اللہ کے نام کی رائلٹی مانگے۔ اتنی رائلٹی ہوگی کہ آئندہ قوم کو پڑھنے کے لیے قرآنِ پاک مفت ملے گا۔ سونے چاندی کی تاروں میں لکھے ہوئے قرآن سے بہتر ہے وہ قرآن جو ایک غریب نابینا بچے کے دل میں محفوظ ہے قرآن کے ماڈلوں پر خرچ کرنے کی بجائے قرآن پڑھنے والے اور پڑھانے والے اداروں کی مدد کی جائے۔



اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسنِ سلوک یہی ہے کہ انہیں ماتحت نہ سمجھو۔ وہ انسان ہیں۔ اسی طرح زندہ جیسے آپ۔ ان کے جذبات و احساسات اور ان کی ضروریات کا خیال رکھا کرو۔ اللہ راضی رہے گا۔ جو سلوک اللہ سے چاہتے ہو اپنے ماتحت کے ساتھ کرو۔ ماتحت بھی آزمائش ہے اور افسر بھی آزمائش۔ چھوٹا چھوٹا نہ رہا تو بڑا بڑا نہ رہے گا۔ انسان نظر آئیں گے۔



ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر وقت کے لیے ایک کام ہوتا ہے۔ بے وقت کی نماز بھی نماز نہیں کہلائی جا سکتی۔ حج کے ایام ہیں۔ صیام کا مہینہ ہے۔ نیند کا وقت ہے۔ تلاشِ رزق کا وقت ہے۔ تعلیم کا زمانہ ہے۔ علم کا دَور الگ ہے۔ خواہش کے زمانے اور ہیں۔ فتوحات کے ایام اور ہوتے ہیں۔ شکست کی گھڑی اور ہے۔ عمل کا میدان اور ہے۔ جزا سزا کا وقت الگ مقرر کر رکھا ہے۔ نہ خوشی مستقل ہے نہ غم ہمیشہ رہ سکتا ہے۔ ہر کام اپنے مقررہ وقت پر حسین و موزوں لگتا ہے ورنہ بے زیب و بدنما!! علم و عمل کے زمانے پہچاننے چاہییں۔



اچھا ڈرائیور وہی ہے جو زیادہ ہارن نہ بجائے اور بار بار بریک استعمال نہ کرے۔ ہارن دوسروں کو ڈرانے کے لیے ہے اور بریک اپنے لیے برداشت۔ اسی طرح اچھی زندگی وہی ہے جو دوسروں کو نہ خوفزدہ کرے اور نہ زیادہ برداشت۔ دوسروں پر اپنی پسند مسلط کرنے کے لیے انہیں ڈرایا

جاتا ہے اور دوسروں کی ناپسندیدہ بات کو برداشت کیا جاتا ہے۔ اپنی پسند اپنے تک رکھو۔ دوسروں کی پسند ان تک رہنے دو۔ اسے ناپسند نہ کرو۔ زندگی کا سفر اچھا کٹ جائے گا۔ جس نے دوسروں کو پسند کیا وہ ضرور پسند کیا گیا۔ جس نے دوسروں کی بھلائی چاہی اس کا ضرور بھلا چاہا جائے گا۔ الغرض، دوسروں سے نیکی اپنے ساتھ نیکی ہے۔ دوسروں سے بدی اپنے ساتھ بدی ہے۔ دوسروں سے نیکی ہماری فلاح ہے۔ دوسروں سے بدی ہماری عاقبت کی خرابی ہے۔



خالق کا گلہ مخلوق کے سامنے نہ کرو اور مخلوق کا شکوہ خالق کے سامنے نہ کرو ——— سکون مِل جائے گا۔



دین و دنیا — جس شخص کے بیوی بچے اس پر راضی ہیں اُس کی دنیا کامیاب ہے اور جس کے ماں باپ اس پر خوش ہیں اس کا دین کامیاب۔



جو سچا نہیں وہ کسی "سچے" کا انتظار نہیں کر سکتا۔



ہم ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں اگر ہم معاف کرنا اور معافی مانگنا شروع کر دیں۔



سب سے بڑی قوت، قوتِ برداشت ہے۔



اللہ کے راز اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ کی باتیں اللہ جانے یا اللہ کا حبیبؐ جانے۔ ہم مشیتِ الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے بلکہ ہم تو اپنی مشیت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھ سکے کہ ان کا ساتھی کیا کر رہا ہے۔ کشتی کیوں توڑی گئی، بچہ کیوں قتل ہوا، دیوارِ یتیم کیوں مرمت کی گئی ـــــ ایک پیغمبر کو سمجھ نہ آ سکی۔ یعقوب علیہ السلام کو یہ پتا نہ چل سکا کہ ان کا جدا ہونے والا بیٹا کس حال میں ہے۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ اللہ نہ چاہے تو کون جان سکتا ہے۔ اللہ کو ماننا چاہیے، اللہ کو جاننا مشکل ہے۔ ہمارے ذمّے تسلیم ہے تحقیق نہیں۔ تحقیق دنیا کی کرو اور تسلیم اللہ کی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا کو تسلیم کریں اور اللہ کی تحقیق کرنا شروع کر دیں۔



جو انسان اپنی وفا کا ذکر کرتا ہے وہ اصل میں دوسرے کی بے وفائی کا ذکر کر رہا ہوتا ہے ـــــ وفا تو ہوتی ہی بے وفا سے ہے۔



کچھ لوگ زندگی میں مُردہ ہوتے ہیں اور کچھ مرنے کے بعد بھی زندہ ۔



ترقی کے لیے محنت و مجاہدہ ضروری ہے، لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ مجاہدہ ایک گدھے کو گھوڑا نہیں بنا سکتا۔



یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انسانوں کی دنیا میں غیر انسانی مخلوق: جن، فرشتہ وغیرہ غیر انسانی شکل میں نہیں آسکتے۔

محبت سے دیکھو تو گلاب میں رنگ ملے گا، خوشبو ملے گی. نفرت سے دیکھو تو خار نگاہوں میں کھٹکیں گے۔



دُور سے آنے والی آواز بھی اندھیرے میں روشنی کا کام دیتی ہے۔



ولیوں کی صحبت میں رہو ——— سکون مِل جائے گا۔



فرض اور شوق یکجا کر دو ——— سکون مِل جائے گا۔



ہوسِ زر اور لذتِ وجود چھوڑ دی جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔



کسی کا سکون برباد نہ کرو ـــــــ سکون مل جائے گا۔



دل سے کدورت نکال دو ـــــــ سکون مل جائے گا۔



حقیقت کا متلاشی حقیقت کی تلاش میں کسی نہ کسی ذریعے کو لے کر نکلتا ہے، مثلاً اس نے کہیں سے پڑھ لیا کہ حقیقت ایسے ہے، تو وہ اس خیال کے مطابق نکلا ہے اور جب اس کو ویسی حقیقت ملے تو وہ اس خیال کی روشنی میں اُسے پہچانے گا۔ گویا پہچان کا معیار متلاشی کے اپنے پاس ہوتا ہے اور اس معیار کے مطابق اس نے اس حقیقت کو دیکھنا ہے۔ ہم اگر آنکھ کو

ذریعۂ پہچان مان لیں تو حقیقت کسی نظارے کی شکل میں سامنے آئے گی، کسی چہرے کے روپ میں آئے گی۔ اگر ہم صرف کان لے کر نکلیں تو حقیقت نغمہ ہے۔ اگر دل کے ہمراہ چلیں تو حقیقت دلبری ہے۔ اگر ذہن کے ذریعے چلیں تو حقیقت حیرت ہے۔ اگر ہم سائل بن کر چلیں تو حقیقت سخاوت کے روپ میں سامنے آئے گی۔ اگر ہم سخی ہو کر نکلیں تو حقیقت سائلوں میں ہو گی۔ الغرض متلاشی جس رنگ سے نکلے گا تلاش وہی رنگ اختیار کر لے گی اور ہر رنگ حقیقت کا رنگ ہے کیونکہ اس کائنات میں کوئی چیز باطل نہیں۔



جس نے ماں باپ کا ادب کیا اس کی اولاد مؤدب ہو گی۔ نہیں تو نہیں۔



آخرت کا سفر دنیا سے ہی شروع ہوتا ہے اور اللہ سے تعلق انسانوں کے ذریعے بنتا ہے۔ ہم گناہ انسان کے ساتھ کرتے ہیں، جو نیکی کرنی ہے انسان کے ساتھ، سخاوت انسان کے ساتھ، رحم انسان کے ساتھ، سلوک انسان کے ساتھ، محبت و نفرت انسان کے ساتھ۔ احکام الٰہی انسانوں کے ساتھ عمل میں آئیں گے۔ نماز انسانوں کے ساتھ مل کر پڑھنی ہے۔ جہاد انسانوں کے ہمراہ انسانوں کے خلاف۔ امت انسانوں کا اجتماع ہے، قوم انسانوں کی وحدت ہے۔ انسان کسی مقام پر تنہا نہیں۔ تنہائی میں انسانوں کی یادیں ہیں۔ محفل میں انسانوں کے چہرے۔ بازاروں میں انسانوں کی بھیڑ۔ ذکر و فکر کی مجالس انسانوں کے ساتھ۔ حتیٰ کہ جنازہ بھی انسانوں کے ہمراہ۔ نمازِ جنازہ بھی انسانوں کا گروہ ——— اگر کوئی انسان تنہا عبادت میں مصروف ہو جائے تو کچھ ہی عرصے بعد اس کے گرد ہجوم اکٹھا ہو جائے گا۔ مسجد بن جائے گی۔ خانقاہ بن جائے گی۔ لنگر خانے کھل جائیں گے اور تنہا حجروں میں رہنے والا امیرِ مجلس بن کر رہ جائے گا۔ زندگی اظہارِ ذات ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارا اعمال نامہ کیا ہے؟ ہمارے گرد و پیش کے انسانوں سے تعلقات کا نتیجہ۔ ماں باپ کی خدمت نیکی ہے۔ محتاجوں کی خدمت نیکی ہے۔ وفا نیکی ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بدی۔ نیند میں انسان تنہا ہوتا ہے وہاں بھی "تنہا خواب" میں خیال کو توجہ سے معاملہ: نیند میں نیکی سے محروم ہوتا ہے اور نیند میں انسان بدی سے بچ جاتا

ہے۔ انسان کا ہر عمل دوسرے انسان سے متعلق ہے۔ ذاتی عمل صرف ایک ہے اور وہ ایک سجدہ ہے۔ ساری نماز میں ہم لوگوں کا ذکر کرتے ہیں اس لیے محویّت نہیں حاصل ہوتی۔ مثلاً ان لوگوں کا ذکر جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ ان کا جن پر اس کا غضب ہوا۔ گمراہ لوگوں کا ذکر مخلصین و صالحین کا ذکر۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کا ذکر۔ والدین کا ذکر۔ اولاد کا ذکر، اور اپنے پیارے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ پاک کا ذکر۔ یہ سب اذکار ہیں۔ انسانوں کے مختلف روپ ہیں۔ ان کا ذکر اور اسی انداز سے ذکر عبادت ہے۔ پس میری عبادت انسانوں کے ذکر، انسانوں کے تقرب، انسانوں سے سلوک، ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے اسلوب، ان کی کوتاہیوں، غفلتوں اور گمراہیوں سے بچنے کے آداب کا نام ہے۔ میری محویّت اور تنہائی صرف "سجدہ" ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ سجدہ کبھی قضا نہ ہو اور انسانوں سے حسنِ سلوک جاری رہے تاکہ دل کو سکون مل جائے۔

اپنے سکونِ قلب کا کچھ اہتمام کر
اس خانۂ خدا سے کدورت نکال دے



خوش نصیب انسان وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔



انسان پریشان اس وقت ہوتا ہے جب اس کے دل میں کسی بڑے مقصد کے حصول کی خواہش ہو لیکن اس کے مطابق صلاحیت نہ ہو۔ سکون کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو خواہش کم کی جائے یا صلاحیت بڑھائی جائے۔ ہر خواہش کے حصول کے لیے ایک عمل ہے۔ عمل نہ ہو تو خواہش ایک خواب ہے۔ ہم جیسی عاقبت چاہتے ہیں ویسا عمل کرنا چاہیے۔ کامیابی محنت والوں کے لیے، جنت ایمان والوں کے لیے اور عید روزہ داروں کے لیے۔



ظاہر کی روشنی کی تلاش آنکھ کی بینائی سے ہے اور باطن کے نور کی تلاش قلبِ منوّر سے اور صادق کی پہچان اپنی صداقت سے۔



آپ کی اپنی تسلیم ہی کا نام اللہ ہے۔ باہر کی دنیا میں اللہ کے لاکھ مظاہر ہوں۔ آپ سے آپ کے اللہ کا تعلق اتنا ہے جتنا کہ وہ آپ کی تسلیم و رضا میں ہے۔



سب سے زیادہ بدقسمت انسان وہ ہے جو حد درجہ غریب ہو اور خدا پر یقین نہ رکھتا ہو۔



کچھ لوگ اپنے آپ کو اپنے پیشے سے بڑا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ پیشے کو خود سے بڑا سمجھتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں نتیجہ پریشانی ہے۔ اپنے آپ کو اپنے سے بڑا سمجھنا یا اپنے سے کم تر جاننا انسان کو مضطرب رکھتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہاں ڈائرکٹری میں عمر ضائع کر رہا ہوں اگر میں وزیر ہوتا تو بہتر کام کر سکتا تھا۔ دوسرا انسان یہ کہتا ہے کہ وزیر ہونا میرے لیے مصیبت کا باعث ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ میں وکیل ہی رہتا۔ اسی طرح لوگ حال سے بیزار رہتے ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنے حال اور اپنی حالت پر مطمئن ہوں۔



راہِ حق کے مسافر پہ دورانِ سفر تنگی بھی آتی ہے اور کشادگی بھی۔ تنگی میں مردِ حق صبر کا سہارا لیتا ہے اور کشادگی میں شکر کا۔ یہ سفر دریا کی طرح ہے جو پہاڑوں میں سے سمٹ کے گزرتا ہے اور میدانوں میں پھیل کر کناروں کو سیراب کرتا ہوا آخر کار اپنی منزل مقصود یعنی بحرِ بے پایاں سے مل جاتا ہے۔

دریا بے دم ہو کر راستے میں ٹوٹتا نہیں نہ واپس لوٹتا ہے ۔ اسی طرح مردِ حق آگاہ ہر مقام سے نکلتا ہُوا اپنی منزلِ حقیقت سے واصل ہو جاتا ہے ۔ مردانِ حق راہ کی دشواری سے مایوس نہیں ہوتے ۔ فقیر ہر تکلیف کو برداشت کرتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ جس نے عزمِ سفر عطا کیا ہے، اُسی نے تکلیف بھی بھیجی ہے اور وہی منزل تک پہنچانے والا ہے ۔



ہر فرد کے دل میں قوم کی خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے ، جذبہ نیّت سے ہے ، نیّت ایک علم ہے ، اور علم کے لیے ایک عمل ہے۔ عمل کے لیے میدانِ عمل ہے ، اور میدانِ عمل میں شریکِ عمل نیک نیت لوگ ہوں تو انجامِ عمل صحیح ہوگا ۔ ہم سفر ہم خیال نہ ہوں تو کامیابی نہ ہوگی ۔



اپنے ماحول پر گہری نظر رکھیں اور اس کا بغور مطالعہ کریں۔ غور کریں کہ آپ کے بیوی بچے، ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب، دوست یار آپ کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں۔ لوگ آپ کے سامنے آپ کو کیا کہتے ہیں۔ آپ کی عدم موجودگی میں آپ کا تذکرہ کس انداز میں کرتے ہیں۔ کبھی کبھی خاموشی سے اپنے گھر کے دروازے کے سامنے سے اجنبی ہو کر گزر جائیں اور سوچیں کہ اس گھر میں آپ کب تک ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ گھر تو ہو گا مگر آپ نہیں ہوں گے۔ اس وقت اس گھر میں کیا ہو گا؟ آپ کا تذکرہ ہو گا ــــــ کس انداز سے؟



اگر اللہ کے محبوبؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو صرف اللہ ہوتا۔ اور صرف اللہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ حاصل یہ کہ ہمیں اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کے مقامات پر بحث نہ کرنی چاہیے۔ اللہ کا مقام اللہ کا حبیبؐ جانے اور حبیبؐ کا مقام اللہ جانے۔



جس طرح وصال اور فراق دونوں محبوب کی عطا ہیں اسی طرح دن اور رات دونوں ہی سوچ کے روپ ہیں ۔



نماز پڑھنے کا حکم نہیں، نماز قائم کرنے کا حکم ہے ۔ نماز اس وقت قائم ہوتی ہے جب انفرادی اور اجتماعی زندگی تابعِ فرمانِ الٰہی ہو۔ ضروری ہے کہ ملّتِ اسلامیہ ایک انداز اور ایک رخ میں اللہ کے حکم کے مطابق سفر کرے۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس طرح حالتِ نماز میں اپنے آپ کو خدا کے سامنے سمجھتا ہے اسی طرح نماز کے بعد بھی خدا کے روبرو رہے اور اس کا کوئی عمل ایسا نہ ہو جو ملّی مفاد کے خلاف ہو۔ اولی الامر کا فرض ہے کہ نماز قائم کرائے ۔



تسلیم کے بعد تحقیق گمراہ کر دیتی ہے ۔



بدی کی تلاش ہو تو اپنے اندر جھانکو۔ نیکی کی تمنا ہو تو دوسروں میں ڈھونڈو۔



غریب وہ ہے جس کا حاصل اس کی آرزو سے کم ہو۔ جس کی آرزو حاصل سے کم ہو وہ امیر ہے۔ یا یوں کہ غریب وہ ہے جس کا خرچ اس کی آمدن سے زیادہ ہو۔ امیر وہ ہے جس کی آمدن خرچ سے زیادہ۔ غریب اگر اپنی آرزو اور خرچ کم کر دے تو آسودہ ہو جائے گا۔ اگر اپنے سے امیر لوگوں سے مقابلہ کرے گا تو کبھی آسودہ نہ ہو گا۔ پستیوں کی طرف دیکھو، آپ بلند نظر آؤ گے۔ بلندی کی طرف دیکھو تو پست۔ پس امیری غریبی۔ بلندی پستی احساس ہے۔ اپنے احساس کی اصلاح کریں۔



خیال بدل سکتا ہے لیکن امر نہیں ٹل سکتا۔



محب اور محبوب کی الگ الگ تعریف مشکل ہے۔ محبت کے رشتے سے دونوں دونوں ہیں۔ کسی کی کسی پر فوقیت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ مقامِ محبوب مقامِ محب سے کم تر یا برتر نہیں کہا جا سکتا۔ ایک کی ہستی دوسرے کے دم سے ہے۔ دنیاوی رشتوں میں محب اور محبوب کا تقابل ناممکن ہے حقیقت کی دنیا میں تو اور بھی ناممکن۔ اللہ کو اپنے محبوبؐ سے کتنی محبت ہے کہ اسے باعثِ تخلیقِ کائنات فرما دیا۔ اللہ اپنے فرشتوں کے ہمراہ اپنے محبوبؐ پر درود بھیجتا ہے۔ اس نے کے ذکر کو بلند کرتا ہے، اس کی شان بیان فرماتا ہے اور محبوبؐ اپنے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کی تسبیح بیان فرماتے ہیں، اس کے لیے زندگی اور زندگی کے مشاغل وقف فرماتے ہیں۔



جب تک لوبھ موجود ہے خوف ضرور موجود رہے گا۔ جو لوبھ سے آزاد ہو گیا خوف سے بری ہو گیا۔ زندگی سے محبت موت کا خوف پیدا کرتی ہے۔ مقصد کی محبت موت کے خوف سے آزاد کر دیتی ہے۔



گناہ دینی حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔ جرم حکومت کے حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔ گناہ کی سزا اللہ دیتا ہے اور جرم کی سزا حکومت۔ گناہ سے توبہ کر لی جائے تو اس کی سزا نہیں ہوتی۔ لیکن جرم کی معافی نہیں ہوتی۔ گناہ کی سزا آخرت میں اور جرم کی سزا اسی دنیا میں۔ گناہوں کی سزا وہ حکومت دے سکتی ہے جو حکومتِ الٰہیہ ہو۔ اگر توبہ کے بعد پھر گناہ سرزد ہو جائے تو پھر توبہ کر لینی چاہیے۔ مطلب یہ کہ اگر موت آئے تو حالتِ گناہ میں نہ آئے بلکہ حالت توبہ میں آئے۔ توبہ منظور ہو جائے تو نہ گناہ کبھی سرزد نہیں ہوتا اور نہ اس گناہ کی یاد باقی رہتی ہے۔ سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ معصوم۔



جس سفر کا انجام کامیابی ہے اس سارے سفر کو ہی کامیابی کہنا چاہیے۔



ہماری خوشیاں ہی رخصت ہو کر ہمیں غم دے جاتی ہیں جتنی بڑی خوشی اتنا بڑا غم۔ غم خوشی کے چھن جانے کا نام ہے۔



کامیابی اور ناکامی اتنی اہم نہیں جتنا کہ انتخابِ مقصد۔ نیک مقصد کے سفر میں ناکام ہونے والا بُرے مقصد میں کامیاب ہونے والے سے بدرجہا بہتر ہے۔ ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اس کی زندگی ناکام ہو۔



انسانی حد بندیاں اور پیش بندیاں فطرت کے کام میں رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتیں۔



جھوٹا آدمی کلام الٰہی بھی بیان کرے تو اثر نہ ہوگا۔ صداقت بیان کرنے کے لیے صادق کی زبان چاہیے ——— بلکہ صادق کی بات ہی صداقت ہے۔ جتنا بڑا صادق، اتنی بڑی صداقت۔



کتاب فطرت کا مطالعہ کریں۔ غور سے۔ فکر کے ساتھ۔ مشرق سے نکلنے والا سورج کتنے عظیم انقلاب کا پیغام لاتا ہے۔ سناٹے گونجنے لگتے ہیں۔ تاریکیاں چھپ جاتی ہیں۔ رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ تازہ ہوا کے جھونکے

پرندوں کے چہچہے اور سب سے بڑھ کر یہ عظیم شاہکار یعنی انسان، خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ پھر وہی دنیا، وہی رونق، زندگی کے زمزمے، موت کے مناظر، محبت، نفرت، ہر طرف کچھ نہ کچھ ہونے لگتا ہے۔ ایک عظیم پیغام بیداری کا، عمل کا، حصولِ معاش کا، چیونٹی سے لے کر شاہین تک، لومڑی سے شیر تک، غریب سے امیر تک، سب مصروفِ عمل ہیں۔ کوئی گھر کو آ رہا ہے، کوئی گھر سے جا رہا ہے۔ مور ناچتے ہیں۔ بلبلیں نغمہ سرا اور خوشبوؤں سے یہ کائنات معطر ہوتی ہے۔ یہ سب فطرت کے جلوے ہیں۔ آپ فطرت کی رنگینیوں سے فاطرِ مطلق کے حسنِ تخلیق کو دیکھیں۔ مالک کی منشا کو پہچانیں۔ آنکھوں کو بینائی عطا فرمانے والا، خود رنگوں میں جلوہ گر ہے۔ سماعت دینے والا نغمہ سرا کے راگ میں ہے۔ پرندوں کو خالی پیٹ اور خالی جیب آشیانوں سے باہر لانے والا ان کی خوراک کا انتظام کر چکا ہے۔ شیروں کی خوراک کو زندگی دے کر محفوظ کیا۔ شاہین کی خوراک ہوا میں اڑتی ہے۔ گدھ کی خوراک مردار کر دی گئی۔ نگاہوں کو جلووں کی خوراک عطا کی۔ سماعت کو نغمات کی، دل کو احساس کی۔ خالق نے فطرت میں تخلیق کے کرشمے دکھا دیے۔ غور کریں کیا کیا نہیں ہو رہا۔ آپ کی چند روزہ زندگی کو مصروفِ نظارہ کرنے کے لیے نعمت سے منعم کا خیال کرو۔ فطرت سے فاطر کا، تخلیق سے خالق کا، ذکر

سے مذکور کا ـــــ اپنا خیال بھی اہم ہے لیکن سب سے اہم اس کا خیال ہے جس نے تجھے صاحبِ خیال بنایا۔



انسان کا ذوقِ سفر اس کا آدھا رہنما ہے۔ یا یوں کہ
"ذوقِ سفر نہ ہو تو کوئی رہنما نہیں"



ہمارے بعد دنیا ویسی ہی قائم و دائم رہے گی جیسی ہمارے آنے سے پہلے تھی۔



اللہ تعالےٰ نے حقائق کی جتنی وضاحت فرمادی ہے وہ بندے کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ زیادہ وضاحتوں کی خواہش سے گمراہی میں مبتلا

ہونے کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ کریم سے یہ پوچھنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور ویسے کیوں نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس ہمیں تیار رہنا چاہیے کہ اللہ ہم سے پوچھے گا کہ ہم نے ایسا کیوں کیا اور ویسے کیوں نہیں کیا۔



حکومت نا اہل ہو سکتی ہے، غیر مخلص نہیں ہو سکتی۔ ملک سے مخلص ہونا حکومت کی ذمہ داری بھی ہے اور ضرورت بھی۔ ملک سلامت رہے گا تو حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ اس لیے حکومت ہمیشہ ہی مخلص ہوتی ہے۔ حزبِ اختلاف حکومت کو غیر مخلص کہتا ہے اور حکومت اپنے مخالفوں کو وطن دشمن کہتی ہے جو انسان دس سال سے زیادہ عرصے سے ملک میں رہ رہا ہو وہ ملک دشمن نہیں ہو سکتا۔ جس کے ماں باپ کی قبر اس ملک میں ہے وہ غدار نہیں ہو سکتا۔



اپنی دعاؤں میں اللہ کریم کو رہ نہ سمجھایا کریں کہ اسے یوں کرنا چاہیے، ایسے نہ کرنا چاہیے۔ اس قوم پر رحم کرنا چاہیے، فلاں پر غضب اور فلاں کو تباہ کرنا چاہیے۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو اللہ کا ایڈوائزر سمجھتے ہیں اور اسے کہتے رہتے ہیں: یہاں فضل کرو۔ یہاں تباہی کا گولہ پھینکو۔ اس کو نیست و نابود کر دو۔ مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ کے لیے سلطان سلاطین بنا دو۔ ایسا قطعاً نہیں۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کے دشمن کو بھی تباہ نہیں کیا۔ شرارِ بولہبی، چراغِ مصطفویؐ کی ضد ہے لیکن پہچان ہے۔ شیطان اللہ کا دشمن ہے، اس کی ضد ہے لیکن پہچان ہے۔ سنت اللہ یہ نہیں کہ اللہ اپنے دشمنوں کو زندہ ہی نہ رہنے دے۔ اللہ کا دستور کچھ ایسا ہے جیسے نہ ماننے والوں سے کہہ رہا ہو کہ "تم نہ مانو، میں تمہاری بینائی نہیں چھین لوں گا، خوراک دینا بند نہ کروں گا۔ میں اپنے احسانات کرتا رہوں گا۔ تم بغاوت کے بعد آخر میرے ہی پاس آؤ گے۔ اور اس دن تم جان لو گے کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔"

اللہ سے کسی کی تباہی نہ مانگو۔ سب کی اصلاح، سب کی خیر، سب کا بھلا مانگو۔



موت زندگی کی محافظ ہے اور زندگی موت کا عمل ہے۔



دولتِ غم کو بھی کم نہ سمجھو۔ غم کا سرمایہ خاص عنایت ہے۔ اس شخص پر بڑا کرم ہے جس کی رات بیدار ہو جائے، جسے آہِ سحر گاہی میسر ہو۔ غم زدہ دل کی دعا قوموں کی مصیبتیں ٹالتی ہے۔ پچھلے پہر شبِ تاریک کی گہرائیوں میں ٹپکنے والے آنسو ملتوں کے لیے چراغاں کرتے ہیں۔ غم ہی وہ طلسم ہے جس سے عطارؒ، رومیؒ، رازیؒ، غزالیؒ اور اقبالؒ پیدا ہوتے ہیں۔ غم ذاتی ہو تو بھی اس کی تاثیر کائناتی ہوتی ہے۔ غم کمزور انسان کو کھا جاتا ہے اور طاقت ور آدمی کو بنا جاتا ہے۔



ایک کافر اپنے کفر پر نازاں پھرتا ہے، ایک مومن اپنے ایمان پر کیوں فخر نہیں کرتا!



پھول کی ایک دن کی زندگی کیکر کی کئی سال کی زندگی سے بہتر ہے۔



اللہ کریم کا ارشاد ہے: "میری رحمت میرے غضب سے وسیع تر ہے۔" اس ارشادِ باری تعالیٰ کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے جب کہ لامحدود کی ہر صفت لامحدود ہے۔ ایک لامحدود دوسرے لامحدود سے کم ہو جائے تو وہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ اللہ کا غضب، غضب کے طور پر نہیں۔ اللہ صرف انصاف کرنے لگ جائے تو غضب ہو گا۔ مطلب یہ کہ اُس کی رحمت انصاف سے وسیع تر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ہمیں ہمارے اعمال کے مطابق ہی اجرت ملے تو ہماری فلاح مخدوش ہے۔ ہم تو رحمت ہی کے سہارے بچ سکتے ہیں بلکہ رحمۃ للعلمین کا سہارا ہمارے لیے نجات کی راہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ سے اپنے اعمال کے حوالہ سے انصاف نہ مانگنا چاہیے۔ اس سے صرف رحم کی تمنا کی جائے۔ شفاعت رحمت ہے اور انصاف غضب اور رحمت غضب پر حاوی ہے۔



زندگی آمدن اور خرچ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ اس میں چہرے بھی ہیں اور زنگا ہیں بھی۔



ہر علم کے برعکس ایک علم ہے۔ اپنے علم کو مخالف علوم کی زد سے بچانے کا علم بھی آنا چاہیے۔ چراغ جلانا آسان ہے۔ اسے آندھیوں سے بچانا ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔ ہر خواہش کے برعکس ایک خواہش موجود رہتی ہے اور انسان کے اندر تضاد اور بے یقینی اسے بروقت صحیح فیصلہ نہیں کرنے دیتی۔ خوش قسمت انسان صحیح فیصلہ کرتا ہے اور صحیح قدم صحیح وقت پر اٹھاتا ہے۔ نتیجہ اللہ کے سپرد کرتا ہے۔



معاف کر دینے والے کے سامنے گناہ کی کیا اہمیت ؟ عطا کے سامنے خطا کا کیا ذکر ؟



ہم ایک سماج میں زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن ہم فرداً فرداً اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔



ہر انسان کا رزق اس کے وجود کے کسی حصے میں محفوظ ہے۔ اس حصے کا تحفظ کرو، مثلاً لکھنے والوں کا رزق ذہن اور یادداشت میں ہے۔ قلم میں ہے۔ بولنے والوں کا زبان میں۔ گانے والوں کا گلے کے سوز میں۔

حتیٰ کہ کچھ لوگوں کا رزق صرف چہرے میں ہے۔ کچھ لوگوں کا رزق قوتِ بازو میں، کسی کا رزق مکاری میں، کسی کا رزق ایمان میں۔ کسی کا بے ایمانی میں، کسی کا رزق اس کے اپاہج ہونے میں ہے۔ معصوم بچوں کا رزق ان کی اپنی معصومیت میں ہے۔ کئی ملکوں میں جنسیات بھی معاشیات کا حصہ ہے۔ غرضیکہ انسان اپنے وجود کے کسی حصے کے ذریعہ اپنے پیٹ کی خدمت کرتا ہے۔ سفر پر خرچ کرنے والے سفرناموں سے رزق وصول کر لیتے ہیں۔ بڑے بڑے آستانوں پر لنگر پکتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟



ایک دوست دوسرے سے بولا: "تم نے وہ کہانی سنی ہوئی ہے؟" دوست نے جواب دیا: "نہیں، میں نے دوسری کہانی سُنی ہوئی ہے۔"



موت سے زیادہ خوفناک شے موت کا ڈر ہے۔



اس چیز کا ذکر نہ کر جس کو دیکھا نہیں اور اس کا بھی کیا تذکرہ جو کسی کو دکھلائی نہ جا سکے۔



زمین پر ہی مشرق و مغرب ہیں۔ آسمان پر مشارق و مغارب نہیں ہیں۔ آسمان بے جہت و بے سمت ہے۔



خطرات کے باوجود زندگی وقت سے پہلے نہیں ختم ہو سکتی اور احتیاط کے باوجود زندگی وقت کے بعد قائم نہیں رہ سکتی۔



آنکھ نہ ہو تو نظارے کا کیا قصور؟ حضوریِ قلب نہ ہو تو قربِ حقیقت کا کیا مطلب؟ تمنائے سفر نہ ہو تو جزائے سفر کیا؟ دل مومن نہ ہو تو زبان کا کلمہ کس کام؟ منزل کا فیض ہی آمادۂ سفر کرتا ہے۔ جس چیز کی آرزو ہے وہی چیز حاصلِ آرزو ہے اور وہی خالقِ آرزو ہے۔ یعنی آرزو ہی حاصل آرزو ہے۔ حقیقت کے سفر میں ارادہ بھی حقیقت ہے اور سفر بھی حقیقت۔



آسمانوں پر نگاہ ضرور رکھو لیکن یہ نہ بھولو کہ پاؤں زمین پر ہی رکھے جاتے ہیں۔



بے اعتدالی کی اس سے بڑی کیا سزا ہو سکتی ہے کہ انسان کو خوراک کی بجائے دوا کھانا پڑے۔



اس کی عطاؤں پر الحمد للہ اور اپنی خطاؤں پر استغفراللہ کرتے ہی رہنا چاہیے۔



دو انسانوں کے مابین ایسے الفاظ ــــــ جو سننے والا سمجھے کہ سچ ہے اور کہنے والا جانتا ہو کہ جھوٹ ہے ــــــ خوشامد کہلاتے ہیں۔



بے رنگ زمین میں بے رنگ بیج اور بے رنگ پانی سے رنگ
کیسے پیدا ہو گئے؟



تسلیم کے بعد امر کا منکر شیطان ہے۔



مسلمان کے لیے اہلِ قرآن ہونا ہی کافی نہیں۔ حاملِ قرآنِ مبین کے ساتھ نسبت کا مضبوط ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ قرآن کا اصول حضورؐ کی زندگی ہے۔ یا یہ کہ حضورؐ کی زندگی اور قرآن کے اصولِ زندگی میں فرق نہیں۔ یہاں تک کہ نزولِ قرآن سے پہلے بھی حضورِ اکرمؐ کی زندگی اصولِ قرآن کے مطابق تھی۔



ہماری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یہی ہے کہ ہم کثیر المقاصد ہیں۔ آج کا انسان بیک وقت بیزار کام کرتا ہے اور کرنا چاہتا ہے۔ کثیر و ابجیکٹوں نے انسان کو مستقل مزاج نہیں رہنے دیا۔ آج کا آدمی کمپیوٹر کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مشینی عمل سے مسلسل گزرنے والا انسان مشین کا حصہ بن گیا ہے۔ جذبات سے محروم، ناآشنا ـــــ نہ محبت سے آشنا نہ وفا سے باخبر۔ نہ غم سے گزرتا ہے نہ خوشی کو جانتا ہے۔ آج کی ٹریجڈی یہی ہے کہ آج کوئی ٹریجڈی نہیں۔ سانحہ مر چکا ہے۔ آج کی زندگی میں نہ مرثیہ ہے نہ قصیدہ۔ انسان کئی زندگیاں گزار رہا ہے اور لازمی ہے کئی اموات دیکھ رہا ہے۔ کثیر المقاصد زندگی ہی بے مقصد زندگی ہو کر رہ جاتی ہے۔ سب کا دوست کسی کا دوست نہیں۔ ہر ایک سے بے تعلق اپنی ذات سے بھی لاتعلق ہو کر رہ گیا ہے۔ صرف شکل انسان کی قائم ہے، صفات سب بدل چکی ہیں۔ انسان کو کیا ہو گیا ہے؟ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسان جو تھا، وہ نہیں ہے۔ شاید کسی حادثے میں انسان مر چکا ہے اور اب اس کا بھوت زندہ ہے۔



جب تک آنکھ میں آنسو ہیں انسان خدا کا تصور ترک نہیں کر سکتا۔



منافقت انسان کو اللہ کے قرب سے محروم کر دیتی ہے۔ منافق وہ شخص بھی ہے جو اسلام سے پیار کرے اور مسلمانوں سے دشمنی۔ منافق وہ بھی ہے جس کے ظاہر باطن میں فرق ہو۔ خلوت جلوت میں فرق ہو۔ جس کی باتیں سچی ہوں اور وعدے جھوٹے ہوں۔ جو دشمنوں کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرے اور دوستوں کی ہنسی اڑائے۔ جو محسنوں کے ساتھ وفا نہ کرے۔ جو انسان کا شکر نہ ادا کرے اور خدا کی تعریفیں کرے۔ جو امانت کی حفاظت نہ کر سکے۔ جس کو اپنے سے بہتر کوئی انسان نظر نہ آئے۔ جو اپنے دماغ کو سب سے بڑا دماغ سمجھے۔ جو یہ نہ سمجھ سکے کہ اللہ جب چاہے مکڑی کے کمزور جالے سے بھی ایک طاقت ور دلیل پیدا فرما سکتا ہے۔



اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ ماں باپ کے سامنے اُف تک نہ کہو۔ ان کو جھڑکی نہ دو، ان سے نرم الفاظ میں بات کرو۔ ان کے بڑھاپے میں ان کی ایسے خدمت کرو جیسے بچپن میں انہوں نے آپ کی خدمت کی —— آج یہ حکم آپ کے لیے ہے کل یہی حکم آپ کی اولاد کے لیے ہوگا۔



ہمارا عقیدہ کچھ اور ہے اور ہماری ضرورت کچھ اور۔ خیال کسی اور محفل کا ہے اور ہماری محفل کسی اور خیال کی ہے۔ اگر ہمارا دوست ہمارا ہم عقیدہ نہیں تو کون کس سے وفا کرے گا اور کون کس کا گِلہ کرے گا۔ عقیدہ چُن لینے کے بعد اندازِ زندگی اور احباب کا انتخاب بھی ضروری ہے۔ بغیر روزہ کے افطاریاں اور روزے کے باوجود حرام شے سے افطاری سب گمراہی کی دلیلیں ہیں۔ اسلام سے مذاق ہے۔ اسلامی ڈرامے اور ڈرامے کا اسلام۔ اللہ کا خوف چاہیے۔ نہ جانے کب کیا ہونے والا ہے!!



یہ اللہ کا دعویٰ ہے کہ "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔" اس نے اپنے حبیبؐ کو جہانوں کی رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اگر کبھی یومِ حساب میں اپنے اعمال کی کمی کی وجہ سے اور جلالتِ کبریا سے خوف و لرزہ طاری بھی ہو تو یہ یاد رہنا چاہیے کہ اللہ کے حبیبؐ کا نام ہی شفاعت کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

اب احتساب میرے گناہوں کا چھوڑیے
اب واسطہ دیا ہے تمہارے حبیبؐ کا



ہماری تمام صفات ہمیں کامیابی تک نہیں لے جاسکتیں۔ ہر انسان میں ایک خاص صفت موجود ہوتی ہے جس کو اگر پروان چڑھایا جائے تو وہ انسان کامیاب ہوسکتا ہے اور وہی صفت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے کیسے اور کسی نے کیسے کیا کیا کچھ کیا۔ کچھ لوگ صرف عبادت پر زور دیتے رہے اور کچھ لوگ صرف خدمتِ خلق پر۔ کچھ حضرات راتوں کو جاگتے رہے۔ کچھ درویش صرف سفر کرتے رہے۔ کسی نے شاعری کو ذریعۂ ابلاغ بنایا۔ کسی نے نثر میں بات کی۔ کوئی اشاروں سے بات کرتا رہا اور کچھ لوگ مدت تک خاموش رہے اور اس خاموشی میں جمالِ گفتگو پیدا کرتے رہے۔ ہر آدمی ہر کام نہیں کرسکتا۔ یہ قدرت کی عطا ہے۔ کوئی طالب کوئی مطلوب، کوئی استاد کوئی شاگرد، کوئی شیخ کوئی مرید، کوئی منزل نما، کوئی نشانِ راہ، کوئی سیلانی، بلکہ کوئی جہاں گشت، کوئی مکانی اور کوئی لامکانی، کوئی ناز، کوئی نیاز، کوئی نیازِ بے نیاز، کوئی فخرِ کون و مکاں، کوئی شہبازِ لامکاں، کوئی دستِ حق باطل شکن، کوئی سجدۂ نیاز، کوئی صاحب الرسول، کوئی نائب الرسول، کوئی غوث الثقلین، کوئی قدوۃ السالکین، کوئی زبدۃ العارفین، کوئی گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا، کوئی زُبدۃ الانبیاء، کوئی محبوبِ الٰہی، غرض یہ کہ کوئی کچھ ہے کوئی کچھ۔ ہر اک کے انداز جُدا، عطا جُدا، طریقۂ تعلیم جُدا، کہیں قوالی ہو رہی ہے کہیں سماع کو حرام کہا جا رہا ہے۔ اصل میں سب سچ ہی

کہہ رہے ہیں۔ لیکن اب پورا ہاتھی دیکھنے کا وقت ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم کلمے کی وحدت پر حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر مکمل ایمان رکھتے ہوئے ایک عظیم وحدت میں اکٹھے ہو جائیں۔ راستے کے لطف الگ ہیں لیکن مدعا اور منزل ایک ہے۔ شریعت ہی واضح اور مکمل راستہ ہے۔ مل کر سفر شروع کریں، قوم ترقی کر جائے گی۔



قرآن بھی وہی، شریعت بھی وہی، اللہ بھی وہی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی۔ سورج چاند ستارے وہی، پیدائش و موت بھی وہی، پھر زندگی وہ نہیں، سماج بدل گیا۔ غور کریں کہ کیا چیز بدل گئی ہے۔ اب سکون اور خوشی کس طرح حاصل ہو۔ اس زمانے میں، اس زمانے کے انسان کو اسی زندگی میں کتابیں پڑھنے کی بات نہیں غور کرنے کی بات ہے۔ زندگی کافرانہ تہذیب میں ڈھل رہی ہے۔ نتیجہ اسلامی کیسے ممکن ہو۔ بچوں کو انگریزی سکول میں پڑھاتے ہو اور ان سے توقع کیا رکھتے ہو۔ تضادات کی زندگی میں سکون محال ہے۔



انسان کا دل توڑنے والا شخص اللہ کی تلاش نہیں کر سکتا۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کسی اور بات کو فوقیت دینا ایسے ہے جیسے شرک۔



انسان جتنی محنت خامی چھپانے میں صرف کرتا ہے اتنی محنت میں خامی دُور کی جا سکتی ہے۔



گُرو کی بات ہی گُر ہے۔ گُرو سے تعلق "علم" ہے۔ گُرو کی خوشی فلاح ہے، گُرو کی ناراضگی . . . سے بچنا چاہیے۔



گرو کی بات پر ایسے یقین کرو جیسے ایک معصوم بچہ اپنے ماں باپ کی بات پر یقین کرتا ہے۔ اس بے یقینی کے دور میں یقین کا حاصل ہونا کرامت سے کم نہیں۔



دوسروں کی خامی آپ کی خوبی نہیں بن سکتی۔



اگر سکون چاہتے ہو تو دوسروں کا سکون برباد نہ کرو۔ اللہ سے معافی چاہتے ہو تو لوگوں کو معاف کر دو۔ اللہ کا احسان چاہتے ہو تو لوگوں پر احسان کرو۔ نجات چاہتے ہو تو سب کی نجات مانگو۔



جب آنکھ دل بن جائے تو دل آنکھ بن جاتا ہے۔



راہِ طریقت میں طالب جس شخصیت کو اپنا رہبر، شیخ، گرو، مرشد، پیر یا ہادی سمجھے اس کے حکم کو بلا چون و چرا بخوشی تسلیم کرے۔ کوئی راہ بغیر راہبر کے طے نہیں ہوتی۔ صحبتِ شیخ ذریعۂ علم ہے، طرزِ عمل ہے اور وسیلۂ نجات ہے۔



سیف اللہ، ید اللہ، عبداللہ، بیت اللہ، رسول اللہ، ولی اللہ، غیر اللہ، ماسوا اللہ، حدود اللہ سب کی سمجھ آتی ہے۔ وجہ اللہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟



کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی جائے جس سے انسان کا ذہن نارمل حالت کے علاوہ ہو جائے۔ مسکن اور منشی اشیاء سے پرہیز جسمانی اور روحانی صحت کے لیے ضروری ہے۔



کشتی ڈوبنے لگے تو اس میں سوار لوگوں کو خود ہی اللہ یاد آجاتا ہے۔



غم باعثِ عروج بھی ہے اور باعثِ زوال بھی ۔



ہم روپیہ اس لیے کماتے ہیں کہ زندگی گزار سکیں اور زندگی اس لیے گزارتے ہیں کہ پیسہ کما سکیں ۔



حیات فی نفسہٖ مقصدِ حیات نہیں۔ مقصدِ حیات تو حیاتِ جاوداں ہے۔



ہم بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں، دوسروں کا — اور پھر کچھ دور جا کر ہم سارے بوجھ اتار پھینکتے ہیں اور خاموشی سے کسی نامعلوم دنیا میں گم ہو جاتے ہیں۔



توبہ کے بعد گناہ کی یاد بھی گناہ ہے۔



زندگی خدا سے ملی ہے، خدا کے لیے استعمال کریں۔ دولت خدا سے ملی ہے، خدا کی راہ میں استعمال کریں۔



طالب علم ملک کے وارث ہوتے ہیں۔



حبِ دُنیا ظلمت ہے، حبِ آخرت نور۔ ظلمات فنا ہے، نور بقا۔ فنا سے بقا کا راستہ لینے کے لیے اللہ کا فضل مانگیں۔ اللہ کا فضل اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔



جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو، سارے جسم میں درد ہوتا ہے۔ خیال کا کوئی حصہ زخمی ہو تو تمام خیال پراگندہ ہوگا۔ ایمان کا کوئی جزو اگر کمزور ہوا تو سارا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ صحت مکمل جسم کی صحت کا نام ہے، ایمان مکمل ایمان کا نام ہے۔



سب سے پیارا انسان وہ ہوتا ہے جس کو پہلی ہی بار دیکھنے سے دل یہ کہے: "میں نے اسے پہلی بار سے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔"



حرام مال اکٹھا کرنے والا اگر بخیل بھی ہے تو اس پہ دوہرا عذاب ہے۔



علم سے پہلے کا زمانہ جہالت کا دَور کہلاتا ہے۔



کسی کے احسان کو اپنا حق نہ سمجھ لینا۔



کائنات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی واحد ذات ہے جن کی خدمت میں ہدیۂ نعت ہمیشہ ہی پیش کیا جاتا رہا ہے۔ دنیا میں کسی انسان کی کبھی اتنی تعریف نہ ہوئی ہے نہ ہوگی ــــ اللہ، اللہ کے فرشتے، اللہ کے بندے سب ہی تعریف کرتے ہیں اللہ کے حبیبؐ کی۔

"سُبحَانَ اللہِ مَا اَحْسَنَکَ"



توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ کبھی سرزد نہیں ہو سکتا۔



لطیف روحیں مجلس میں لطافت پیدا کرتی ہیں اور کثیف، کثافت۔



اگر آرزو ہی غلط ہو تو حسرتِ آرزو، تکمیلِ آرزو سے بہت بہتر ہے۔



گناہ کسی بدی کے ہو جانے کا نام ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان اُن ارادوں کے پورا نہ ہونے کا بھی شکر ادا کرتا ہے جو غلط تھے۔



اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو زندگی اور زندگی کی ہر دوسری محبت سے افضل جاننا چاہیے۔



نعمت کا شکر یہ ہے کہ اُسے ان کی خدمت میں صرف کیا جائے جن کے پاس وہ نعمت نہیں ۔



وہ انسان جھوٹا ہے جو حق گوئی کے موقع پر خاموش رہے یا ایسی بات کہے جس سے ابہام پیدا ہو ۔



آسمان کے کروڑوں ستاروں کو بیک وقت دیکھنے والی آنکھ اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی ۔ شیخ ہی وہ آئینہ ہے جو ہمیں ہمارے ساتھ متعارف کراتا ہے ۔ عین ممکن ہے کہ ہم جس چیز پر آج خوش ہو رہے ہیں ہمارے لیے مصیبت کا باعث ہو اور جس چیز پر آج افسوس کر رہے ہیں کل ہمارے لیے یہی خوش قسمتی کا باعث ہو ۔ شیخ ہماری پسند اور ناپسند کی اصلاح کرتا ہے اور دین کی راہ محبت کے ذریعے ہم پر آسان فرماتا ہے ۔ مرشد ارشاد کے بغیر بھی ہماری اصلاح کر سکتا ہے ۔



زندگی میں ہمارے نام اور لباس مختلف ہوتے ہیں۔ امیر، غریب، چھوٹا، بڑا، افسر، ماتحت، ڈاکٹر، انجینئر، استاد، شاگرد وغیرہ، لیکن مرنے کے بعد ہم سب کا صرف ایک ہی نام رہ جاتا ہے: "میت"۔



انسان جس کیفیت اور عقیدے میں مرے گا اسی میں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ دعا کریں کہ وقتِ رخصت کلمہ نصیب ہو۔



یہی زندگی دنیاوی ہے، یہی دینی اور یہی روحانی۔ ہمارا خیال بدل جائے تو ہماری زندگی کا نام ہی بدل جاتا ہے۔



اضطراب دراصل اس فرق کا نام ہے جو ہماری خواہشات اور ہمارے حاصل میں رہ جاتا ہے۔ ہماری توقعات جب پوری نہیں ہوتیں ہم مضطرب ہو جاتے ہیں۔ خواہش اور توقع کی اصلاح کرنی چاہیے۔



ہم لوگ فرعون کی زندگی چاہتے ہیں اور موسیٰ کی عاقبت ۔



قربِ جمال اِنسان کا حال اور خیال بدل کے رکھ دیتا ہے ۔



صاحبِ حال سے تعلق صاحبِ حال بنا دیتا ہے ۔



وہ شخص اللہ کو نہیں مانتا جو اللہ کا حکم نہیں مانتا ۔



اسلام وحدۃ المسلمین کی داستان ہے۔ مسلمان اکٹھے نہ ہوئے تو دین اسلام سے خارج کر دیے جائیں گے مسلمانوں کا منظم اجتماع ہی اسلام کا عروج ہے۔



انسان اپنی ملکیت کی ملکیت بن کر رہ گیا ہے۔ انسان اپنے آپ کو محفوظ کرتے کرتے غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ خطرہ انسان کے اپنے اندر ہے۔ سانس اندر سے اُکھڑتی ہے۔



اللہ کو راضی کرنے سے پہلے یہ ضرور تحقیق کر لیں کہ وہ ناراض ہے بھی کہ نہیں۔ اُس کے ناراض ہونے کی اطلاع دینے والے کو ضرور راضی کر دو۔



نیکی کا نام لینا بھی نیکی ہے۔ نیک بات سُننا بھی نیکی ہے۔ نیک مقام دیکھنا بھی نیکی ہے۔ نیک انسان سے ملنا بھی نیکی ہے۔ نیک لوگوں کا تذکرہ بھی نیکی ہے۔ نیک خیال بھی نیکی ہے۔ نیک علم بھی نیکی ہے۔ نیک عمل تو خیر ہے ہی نیکی۔



ایک نے دوسرے سے پوچھا: "بھائی آپ آنے والے حالات جانتے ہیں؟" دوسرے نے جواب دیا: "ابھی تو جانے والوں سے ہی فرصت نہیں ملی۔"



بچہ بیمار ہو تو ماں کو دعا مانگنے کا سلیقہ خود بخود ہی آجاتا ہے۔



شکر کرو نعمت محفوظ ہو جائے گی۔ دسترخوان کشادہ کر دو، رزق بڑھ جائے گا۔ سجدہ کرو، تقرب ملے گا۔ عزت کرو، عزت ملے گی۔ صدقہ دو، بلا ٹل جائے گی۔ توبہ کرو، گناہ معاف ہو جائے گا۔



مرید کی اپنی صداقت اور عقیدت ہی اس کو منزل تک پہنچاتی ہے۔ اگر منزل نصیب ہو گئی تو شیخ کے کامل ہونے میں کیا شک ؟ مرید منزل تک نہ پہنچا تو شیخ کے کامل ہونے نہ ہونے کا کیا تذکرہ ؟ خوش نصیب مرید شیخ کا ہر حال میں ممنون رہتا ہے اور بدنصیب ہمیشہ اپنی کوتاہی کا شیخ کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔



اچھے لوگوں کا ملنا ہی اچھے مستقبل کی ضمانت ہے۔



بہترین کلام وہی ہے جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں۔



عروج اُس وقت کہتے ہیں جس کے بعد زوال شروع ہوتا ہے۔



دریا پہاڑوں میں سے سمٹ کر گزرتا ہے اور میدانوں میں سے پھیل کر۔ اپنے حالات کے مطابق سفر کرنا چاہیے۔ انسان حالات سے باہر ہو جائے تو بکھر کر رہ جاتا ہے۔ سفر شرط ہے۔ اندازِ سفر، حالاتِ مسافر کی نسبت سے۔



جب نبی کی وراثت موروثی نہیں تو اولیاء کی وراثت کس طرح موروثی ہو گئی؟ گدی نشینی کا تصور، غور طلب ہے۔



سوچنا چاہیے کہ ایک حادث، قدیم سے کس طرح محبت کرتا ہے؟ دیکھے بغیر محبت کا کیا مفہوم ہے؟ ایک انسان بیک وقت بندہ اور عاشق کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پہ غور کرنا چاہیئے۔ اس سے انکار نہیں۔



اگر چھت گرنے لگے تو بھاگ جاؤ اور آسمان گرنے لگے تو ٹھہر جاؤ۔



جس خطرے کا وقت سے پہلے احساس ہو جائے سمجھو کہ وہ ٹل سکتا ہے۔ اس کے روکنے کے لیے دُعا کا ہتھیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خطرات سے بچائے جن کے قریب آنے کا ہمیں احساس تک نہیں۔



جس پر اللہ کا رحم ہوتا ہے اسے وہ اپنے در کا سائل بنا دیتا ہے۔ جو ے رحم سے محروم ہو وہ دنیا والوں کے دروازوں پہ دستِ سوال دراز ہے۔ اللہ سے دعا کریں کہ ہم پر ایسی کوئی مصیبت نہ آئے کہ ہم اللہ مدد مانگنا بھول جائیں۔



ایک بچے کے پیدا ہونے اور اس کے پروان چڑھنے میں صدیوں کی محنت و تجربہ صرف ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کریم نے چاند، سورج، ستارے، مٹی، ہوا اور پانی پیدا فرما رکھا ہے۔ چرند، پرند، نباتات و جمادات انسانی زندگی کی خدمت کے لیے منتظر رہتے ہیں۔ اللہ کیسے کیسے دنیا کو رزق پہنچاتا ہے، حیران ہو کر دیکھنے والی بات ہے۔ پتھر کے اندر چھپے ہوئے کیڑے کو بھی رزق مہیا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص مخلوق کی تباہی مانگے تو پالنے والے اللہ کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔ مخلوق کی بہتری مانگنے والے اللہ کو پسند ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے پانی کا عذاب مانگا۔ ان کا اپنا بیٹا بھی اسی تباہی کی نذر کر دیا گیا۔ اللہ کریم کیسے پسند فرماتے کہ تباہی مانگنے والوں کو احساس ہی نہ ہو کہ دوسروں کے بیٹوں کے لیے تباہی کیسے مانگتے ہیں۔



امیر کی سخاوت اللہ کی راہ میں تقسیم رزق میں ہے اور غریب کی سخاوت تسلیم تقسیم رازق میں ہے۔ وہ غریب سخی ہے جو دوسروں کے مال کو دیکھنا اور اس کی تمنا کرنا چھوڑ دے۔



جس آدمی کے پاس دین کی راہ پر چلنے کے لیے نہ وقت ہے نہ مزاج، وہ اپنی ناکامی کے بارے میں اور کیا کہہ سکتا ہے!



سورج دُور ہے لیکن دھوپ قریب۔



ہمارا بدترین دشمن وہ ہے جو دوست بن کر زندگی میں داخل ہوا اور ہمارا بدترین دوست وہ ہے جو دشمن بن کر جدا ہو۔



جو انسان حال پر مطمئن نہیں وہ مستقبل پر بھی مطمئن نہ ہوگا۔ اطمینان حالات کا نام نہیں، یہ روح کی ایک حالت کا نام ہے۔ مطمئن آدمی نہ شکایت کرتا ہے نہ تقاضا۔



زندگی کی کامیابی کا فیصلہ زندگی کے اختتام پر ہی ہو سکتا ہے ۔



سب سے زیادہ خطرناک دشمن وہ انسان ہے جو مسافر سے ذوقِ سفر چھین لے ۔



غریبوں میں دولت تقسیم کر دینا نیکی ہے ۔ امیروں سے دولت چھین لینا گناہ !!



ایک انداز سے دیکھا جائے تو گناہ ایک بیماری ہے ۔ دوسرے انداز سے دیکھیں تو بیماری ایک گناہ ہے ۔



اپنی زندگی میں ہم جتنے دل راضی کریں اتنے ہی ہماری قبر میں چراغ جلیں گے۔ ہماری نیکیاں ہمارے مزار روشن کرتی ہیں۔ سخی کی سخاوت اس کی اپنی قبر کا دیا ہے۔ ہماری اپنی صفات ہی ہمارے مرقد کو خوشبودار بناتی ہیں۔ زندگی کے بعد کام آنے والے چراغ زندگی میں ہی جلائے جاتے ہیں۔ کوئی نیکی رائیگاں نہیں جا سکتی۔



اللہ سے وہ چیز مانگیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت دِقت نہ ہو۔ اللہ سے مانگی ہوئی نعمت اللہ کے لیے وقف ہی رہنے دیں چاہے وہ زندگی ہی کیوں نہ ہو۔



وہ شخص پورا مومن نہیں ہو سکتا جو اپنے رزق کو سبب سے متعلق سمجھتا ہو۔ اس شخص کا ایمان بھی مکمل نہیں ہو سکتا جس کو زندگی کے عنقریب ختم ہو جانے کا یقین نہ ہو۔



جو انسان اس تقسیم پر راضی ہے جو اللہ نے اس کے مقدر میں کی ہے وہ اللہ پر راضی ہوتا ہے اور جو اللہ پر راضی ہو گیا اللہ اس پر راضی ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اللہ کو راضی کرنے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اللہ پر اور اللہ کے ہر عمل پر راضی رہو۔



اپنے ملک میں سب ہی مسلمان ہیں۔ چوری کون کرتا ہے؟ ڈاکہ ڈالنے والا کون ہے؟ ملاوٹ کس نے کی؟ منافع خور کون ہے؟ سب ہی مسلمان ہیں تو اسلام کے تقاضوں کے مطابق معاشرہ کہاں ہے؟ کس کی، کون، کیسے اصلاح کرے؟ یہی وقت کی ضرورت ہے۔ تبلیغِ اسلام سے پہلے اسلامی معاشرے کے قیام کی ضرورت ہے۔ اسلامی معاشرے میں نہ کوئی محروم ہوگا نہ مظلوم۔



ضربِ یداللّٰہی بھی اسی کے پاس ہے جس کے پاس سجدۂ شبیری ہے۔



زخمی سؤر کی مرہم پٹی کرنے والے مسلمان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟



پہاڑ کی چوٹی تک جانے کے لیے کتنے ہی راستے ہو سکتے ہیں لیکن سفر کرنے والے کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔



اللہ کی رحمت سے انسان اس وقت مایوس ہوتا ہے جب وہ اپنے مستقبل سے مایوس ہو۔



قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے۔ کائنات مظہرِ انوارِ الٰہ ہے اور انسان شاہکارِ تخلیق۔ اللہ کا ہر کام مقدس داعلیٰ ہے۔ تخلیق میں کچھ بھی باطل نہیں۔



کسی ایک بزرگ کے عرسِ مبارک پر کبھی آپ نے غور کیا۔ کیا کیا نہیں ہوتا۔ مست بلکہ سرمست بلکہ دمادم مست درویشوں کی خیمہ بستی ایک طرف جلوہ گر ہوتی ہے۔ آگ روشن ہوتی ہے، یعنی "مچ" جل رہا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے کھانے پینے کے آداب الگ ہیں۔ کسی طرف قوالی کی محفل ہو رہی ہوتی ہے، وہاں بھی لوگ رقص کر رہے ہوتے ہیں۔ قوالوں پہ رہ روپے نچھاور ہو رہے ہوتے ہیں اسی بزرگ کے نام پر جس کا عرس منایا جا رہا ہوتا ہے۔ کسی طرف دودھ کی سبیلیں ہوتی ہیں۔ یہ دودھ ملاوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ڈھول پر دھمال کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ نعت خوانی ہوتی ہے۔ مٹھائیاں بکتی ہیں۔ دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ بچوں کے جھولے، تھیٹر، سینماؤں کے اضافی شو۔ اب آپ ہی اندازہ کریں کہ اس بزرگ پر کیا گزرتی ہے جس نے اللہ کی یاد کا چراغ جلایا تھا۔ بزرگوں سے نسبت کا اظہار ان کے نقشِ قدم پر چل کر ہونا چاہیے۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ لاہور میں کسی بزرگ کے مزار پر حاضر نہیں ہوئے تھے۔ تبلیغ دین کے لیے تشریف لائے تھے۔ اسی طرح خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شریف میں کسی خانقاہ پہ حاضر نہیں ہوئے تھے۔ کسی مشن پر تشریف لائے تھے۔ ہمیں غور کرنا چاہیے۔ اس بات کی وضاحت اپنے اپنے شیوخ سے لی جائے۔



آج کے انسان کو موت کے خطرے سے زیادہ غریبی کا خطرہ ہے۔
پہلے غریب کی معاشی حالت کی اصلاح کرو پھر اس کے ایمان کی۔



اللہ کے نام پر خیرات انسانوں کے کام آتی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ انسانوں کے کام آتا ہے۔ زکوٰۃ انسانوں کے کام آتی ہے۔ اللہ کو قرضِ حسنہ دینا کسی انسان کو دینا ہے۔ نام اللہ کا ہے، کام انسان کے ہیں۔ انسان خرچ کرتا ہے، انسان کے کام آتا ہے اور اللہ خوش ہوتا ہے، راضی رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے، راضی کرنے کے لیے انسانوں کی خدمت کرنی چاہیے۔



اس دوست کا گلہ کر رہے ہو جو دھوکا دے گیا۔ گلہ اپنی عقل کا کرو کہ دھوکا دینے والے کو دوست سمجھتے رہے۔



دعا سے حاصل کی ہوئی نعمت کی اتنی قدر کریں جتنی منعم کی۔ حاصلِ دعا کی عزت کریں۔ دعا منظور کرنے والا خوش ہوگا۔



گنہگار کی پردہ پوشی اسے نیکی پر لانے کے لیے ایک ذریعہ بن سکتی ہے۔ بدنامی بعض اوقات مایوس کر کے انسان کو بے حس کر دیتی ہے اور وہ گناہ میں گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ عزتِ نفس ختم ہو جائے تو انسان کے لیے جرم و گناہ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ غریبوں کی عزتِ نفس زندہ کرو۔ کسی کو غنڈہ نہ کہو۔ کہنے سے ہی غنڈہ بنتا ہے۔ پورے نام سے پکارو۔ اولیاء اللہ محبت سے گنہگاروں کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس مجرم کو پکا مجرم بنانے میں ظالم سماج کا ہاتھ نمایاں نظر آئے گا۔ یہ مجرم اور یہ گنہگار ہمارے اپنے سماج کا حصہ ہیں۔ ان کی اصلاح ہوتی تو ان کی تعداد میں اضافہ نہ ہوتا۔



منقبت، مرثیہ، قوالی، سلام یا مسالمے سے منصبِ شہادت سمجھ نہیں آسکتا نہ مقصدِ شہادت پورا ہوتا ہے۔ توصیف و تعریفِ امامؑ بجا، لیکن تقلید و عملی تائید کون کرے گا ــــ کربلا کسی بیان کا نام نہیں۔ یہ کسی عمل کا نام ہے۔ کربلا محسوس کرنے والے کے لیے ایک پیغام ہے ۔ یہ مشاہدہ ہے، سلطانِ اولیاؒ کی تسلیمِ رضائے کبریا کا، یہ اذن ہے خاکسارانِ شہیدِ کربلا کے لیے کہ وہ ہمیشہ اس چراغ کو روشن رکھیں جسے امامِ عالی مقام نے اپنے خون سے روشن فرمایا۔



خواہش پوری کرنے والا بزرگ اور ہے اور خواہش سے نجات دلانے والا اور۔



اِتنا پھیلو کہ سمٹنا مشکل نہ ہو۔ اتنا حاصل کرو کہ چھوڑتے وقت تکلیف نہ ہو۔



شیطان نے انسان کو نہ مانا، اللہ نے اس پر لعنت بھیج کر اسے نکال دیا۔ انسان کے دشمن کو اللہ نے اپنا دشمن کہا۔ انسان اللہ کے دشمن سے دوستی کرے تو بڑے افسوس کا مقام ہے۔



دعا کریں کہ ہم اللہ کے حضور کوئی نیک عمل پیش کر سکیں۔ نہیں تو چلو کوئی نیک حسرت ہی سہی۔ خدا نہ کرے کہ ہم ایسے عذر کا سہارا لیں کہ زمانے نے نیکی کی ہمیں مہلت ہی نہ دی۔



مبلغین کی زندگیوں میں قول و فعل کے تضادات کو دیکھ کر لوگوں نے حق بات سننے سے گریز کر لیا۔ کان بند کر لیے۔ کئی لاکھ مساجد ہیں اور کئی لاکھ آئمہ لیکن قوم بے امام نظر آتی ہے۔ کیوں!



اللہ کو یاد کرنا۔ اس کو پکارنا۔ اس کی رحمت کو پکارنا ہے۔ رحمان کو پکارنا ہے، رحیم کو پکارنا ہے، ستار و غفار کو پکارنا ہے کسی نے قہار کو نہیں پکارا ـــــ حالانکہ یہ اللہ ہی کی صفت ہے۔ ہم اس صفت کو پکارتے ہیں جس سے ہمیں واسطہ ہے۔ رزق دینے والا۔ معافی دینے والا، شفا دینے والا۔ زندگی بخشنے والا، نیکی کی توفیق دینے والا، مطلب یہ کہ اللہ کی سب صفات سب کے پکارنے کے لیے نہیں ہیں۔ اللہ سے عزت مانگو اور عزت حاصل کرنے کے اعمال کا علم مانگو۔ ہم خیر کے قافلے میں ہیں۔ ہماری عاقبت خیر والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ مخالفینِ دین کی عاقبت اور ان کے انجام کے بارے میں اللہ جانے اور اللہ کا پروگرام۔ دوزخ کی آگ کو کیسے انسانوں کا انتظار ہے؟ کم از کم مسلمانوں کا نہیں! اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے دوزخ میں نہیں جا سکتے!!



اگر کیفیت یا یکسوئی نہ بھی میسر ہو تو بھی نماز ادا کرنی چاہیے۔ نماز فرض ہے، کیفیت فرض نہیں۔



کسی مکان کو آگ لگی ہوئی ہو تو آگ لگنے کی وجوہات پر ریسرچ کرنے سے پہلے آگ کو بجھانا فرض ہے۔



خواب کی اونچی اڑانیں بیان کرنے سے زندگی کی پستیاں ختم نہیں ہوتیں۔



زندگی ایک سایہ دار اور پھل دار درخت ہے جس کو سانس کی آری مسلسل کاٹ رہی ہے۔ نہ جانے کب کیا ہو جائے۔



اللہ نے جس ملک، جس دور اور جس زبان میں آپ کو پیدا فرمایا ہے اسی ملک، اسی دور اور اسی زبان میں آپ کو عرفان مل سکتا ہے۔



اس انسان کی تعریف نہ کرو جس کی عاقبت اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔



دریا جہاں سے ایک بار گزرتا ہے دیرپا نشان چھوڑ جاتا ہے۔



آسمان حدِ نگاہ ہے اور ستارے فریبِ نظر۔



مکمل وہ چیز ہوتی ہے جس میں کسی اضافے کی ضرورت نہ ہو۔ نہ ترمیم نہ تخفیف۔ سوچیں کہ دین کب مکمل ہوا تھا؟ اس وقت اس دین کا جتنا علم موجود تھا، وہی کافی ہے۔ علم میں اضافہ، عمل میں پختگی پیدا نہیں کر سکتا۔ نئی نئی راہیں دریافت کرنے والا مسافر منزل سے رہ جاتا ہے۔



قرآن کریم میں ہر گروہ کا ذکر ہے۔ ماضی کی امتوں کا۔ ان کے آغاز و انجام کا، انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ شیطان کا ذکر ہے، متقین کا ذکر ہے، منافقین کا ذکر ہے، شہداء کا ذکر ہے، صدیقین کا ذکر ہے۔ صالحین کا ذکر ہے۔ کائنات اور اس کی تخلیق کا ذکر ہے، غرض یہ کہ ہر طبقہ حیات کا ذکر ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ آپ کون سے گروہ سے متعلق ہیں۔ اس گروہ کے بارے میں کیا احکامات ہیں۔ غور سے دیکھیں۔ سب باتیں سب کے لیے نہیں ہیں۔



کافروں پر آنے والا عذاب اُن کے لیے ہے۔ اس میں ہمیں کیا دخل۔ ماننے والوں کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ آپ ماننے والے ہیں، بشارتوں پر خوش کیوں نہیں ہوتے۔ کیا آپ کی تسلیم میں کہیں فرق ہے؟



انسان لائحہِ عمل یا نظریے سے محبت نہیں کر سکتا۔ انسان صرف انسان سے محبت کر سکتا ہے۔



یاد کا نام دُرود ہے، ادب کا نام فیض ہے۔



اہلِ ظاہر کے لیے جو مقام مقامِ صبر ہے، اہلِ باطن کے لیے وہی مقام، مقامِ شکر ہے۔



جب شہروں پر گدھ منڈلانا شروع ہو جائیں تو شہریوں کی زندگی خطرے میں ہوتی ہے۔ گدھ بڑی دور سے مردار کو پہچان لیتا ہے۔



کیا آپ کو اس کی وجہ معلوم ہے کہ کچھ شعرا ایسے ہوتے ہیں جن کا صرف دن منایا جاتا ہے۔ کچھ شعرا ایسے ہوتے ہیں جن کا عرس منایا جاتا ہے۔ مثلاً میاں محمد بخشؒ، وارث شاہؒ، شاہ حسینؒ، بلھے شاہؒ، شاہ لطیفؒ، خواجہ غلام فریدؒ، امیر خسروؒ وغیرہ کا عرس منایا جاتا ہے۔ لیکن اقبالؒ کا دن منایا جاتا ہے۔ کیوں؟



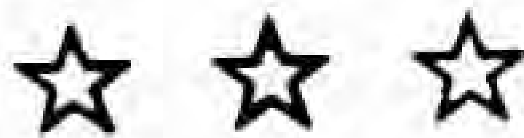
کسی نے پوچھا، "بارش کا کیا فائدہ ہے؟" جواب دیا: "میرا کھیت سیراب ہوتا ہے۔" اس نے پھر پوچھا: "بارش کا کیا نقصان ہے؟" جواب دیا: "میرے بھائی کا کھیت سیراب ہوتا ہے۔"



سُننے والے کا شوق ہی بولنے والے کی زبان کو تیز کرتا ہے۔



کسی ایک مقصد کے حصول کا نام کامیابی نہیں۔ کامیابی اس مقصد کے حصول کا نام ہے جس کے علاوہ یا جس کے بعد کوئی اور مقصد نہ ہو۔



جو لیڈر نااہل ہو وہ اپنے رفقاء کا گلہ کرتا ہے۔ سورج کہلانے کا شوق ہو تو روشنی پیدا کرو۔



روح کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات روح کی گہرائی تک ضرور جائے گی۔



کوشش اور دُعا کریں کہ جیسے آپ کا ظاہر خوبصورت ہے ویسے ہی آپ کا باطن خوبصورت ہو جائے۔



دنیا قدیم ہے لیکن اس کا نیا پن کبھی ختم نہیں ہوتا۔



آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ نہیں جو گزر چکی ہے بلکہ عمر وہ ہے جو ابھی باقی رہتی ہے!!



تعلیم، علم نہیں کیونکہ:

علم ـــــ آرزوئے قربِ حسن کا دوسرا نام ہے۔

علم ـــــ عرفان و آگہی ہے۔

علم ـــــ معلوم کی نفی ہے۔

علم ـــــ چاکِ پیراہنِ ہستی ہے۔

علم ـــــ قربِ جلوۂ جاناں ہے۔

علم ـــــ منکسر المزاج ہے۔

علم ـــــ اپنی لاعلمی کا تعین و تیقن ہے۔

علم ـــــ مخلوق سے خالق یا خالق سے مخلوق کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

علم ۔۔۔۔۔ قوتِ تسلیم کا نام ہے ۔

علم ۔۔۔۔۔ یادداشت کا محتاج نہیں ۔

علم ۔۔۔۔۔ کتب خانوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے ۔

علم ۔۔۔۔۔ تحریر کا نام نہیں، تقریر نہیں، نگاہ کا نام ہے ۔

علم ۔۔۔۔۔ آئینِ عمل ہے، اگر محرومِ عمل ہے تو خواب ہے بے تعبیر ۔

علم ۔۔۔۔۔ ہماری فطرت کی حدود و قیود میں موجود رہ کر مطمئن اور اطمینان بخش ہے، ورنہ باعثِ اندیشہ ۔

علم ۔۔۔۔۔ مباحثوں سے احتراز کا نام ہے ۔

علم ۔۔۔۔۔ تعلق سے ہے اور تعلق کے لیے ہے ۔

علم ۔۔۔۔۔ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کوئی عطا

کرنے والا نہ ہو۔

علم ——— اظہارِ جذبات سے ہے لہٰذا بے تعلق نہیں ہو سکتا۔

تعلیم ضرورت کا علم ہے۔

ضرورت کا علم اور چیز ہے، علم کی ضرورت کچھ اور شے ہے۔



اس کائنات میں ہونے والا ہر واقعہ، ہر انسان پر کسی نہ کسی طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔ کسی کی موت کسی کا غم بنتی ہے۔ ہمارا علم ہم سے پہلے آنے والوں کی تحریر سے ہے۔ کسی کی ایجاد زمانے کے کام آتی ہے۔ ہر انسان ہر دوسرے انسان سے متعلق ہے۔



چاندنی میں چاند نہیں ہوتا اور چاند پہ چاندنی نہیں ہوتی۔



جس بکری کو خواب میں شیر کا دیدار ہو جائے۔ اس کی صحت کے بارے میں کیا پوچھنا؟



اسلامی معاشرہ۔ مسلمانوں کے طرزِ حیات کا نام ہے۔



اپنی رعایا کے حال سے بے خبر بادشاہ سے بہتر ہے وہ گڈریا جو اپنی بھیڑوں کے حال سے باخبر ہو۔



دوسرے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے اپنے مشاہدات بیان کرنے والا انسان جھوٹا ہے۔



آپ کی اپنی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا اللہ کا حصہ رکھا ہے، اتنا ہی اللہ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔



اِس سے بڑی بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی تاریخ کے کچھ واقعات کا ذکر تک نہیں کر سکتے۔ آنے والا مؤرخ، جو ہمارے جانے کے بعد آئے گا، ان کا ذکر ضرور کرے گا۔ اس تذکرے میں ہمارا ذکر بھی ہو گا —— آپ کو معلوم ہے مستقبل کا مؤرخ آپ کے بارے میں کیا کہے گا؟



اس بیٹے کا کیا ذکر جو صرف باپ کے حوالے سے پہچانا جائے۔



ہر آدمی دوسروں کی زندگی کی تعریف کرتا ہے اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ کوئی ذی شعور انسان اپنی زندگی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔



علم اتنا حاصل کریں کہ اپنی زندگی میں کام آئے۔ علم وہی ہے جو عمل میں آسکے۔ ورنہ ایک اضافی بوجھ ہے۔



جھوٹا اور بدنصیب ہے وہ مرید جو کسی انسان کو گرو ماننے کے بعد اُس کے خلاف کوئی لفظ مُنہ سے نکالتا ہے۔ اپنے استاد کے خلاف بولنے والا انسان علم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔



دنیا کو ہنسانے والا تنہائیوں میں روتا بھی ہے۔



ناپسندیدہ انسان سے پیار کرو، اس کا کردار بدل جائے گا۔



ذوقِ سفر کے بغیر کوئی راہ آسان نہیں ہو سکتی۔



جس شخص کا وطن میں کوئی محبوب نہ ہو وہ وطن سے محبت نہیں کر سکتا۔



اگر انسان کو اچانک نگاہ مل جائے تو وہ خوف سے پاگل ہو جائے یہ دیکھ کر کہ یہ زمین انسانی ڈھانچوں سے کس طرح بھری پڑی ہے۔ یہ ویرانے کبھی آباد تھے، یہ آبادیاں بھی کبھی ویرانے بن جائیں گی۔ دنیا میں کون کون نہیں آیا، یہاں کیا کیا نہیں ہو چکا ——
کتنے باغ یہاں میں لگ لگ سوکھ گئے۔



وہ چیز جو بے سوال کر دے، وہ لاجواب ہوتی ہے۔



عقیدت کامل ہو تو پیر کامل ہوتا ہے ۔



دیکھنے والے کا شوق ہی حُسن کو رعنائی بخشتا ہے ۔



جس آدمی کے آنے سے خوشی نہیں، اُس کے جانے کا غم کیا ہوگا۔



اگر محنت میں لطف نہیں تو نتیجے کا انتظار تکلف ہے ۔



وحدت الوجود علم نہیں۔ مشاہدہ ہے ۔



ہر چہرہ، ایک ہی چہرہ ہے۔



بہتر ہے کہ گناہ نہ کرو، اور اپنے کسی گناہ پر ہرگز کسی انسان کو گواہ نہ بناؤ۔



اپنے محسن کی ذات بیان کرنے کی بجائے اس کے احسانات بیان کرو۔



عالم اس لیے مغرور ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔ دانا اس لیے دھیما ہے کہ اس نے ابھی بہت کچھ جاننا ہے۔ عِلم، معلوم پر نازاں ہے؛ دانائی نامعلوم کے جاننے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔ عالم کو احساسِ جہالت ہو جائے تو وہ دانائی میں قدم رکھ سکتا ہے۔



حقیقت آئینے کے عکس کی طرح ہے۔ آپ قریب ہو جاؤ، وہ قریب ہوتا ہے۔ آپ دُور ہو جاؤ، وہ دُور ہو جاتا ہے۔ آپ سامنے سے ہٹ جاؤ، وہ بھی ہٹ جاتا ہے۔



ہم پرانے لوگوں کو یاد کرتے ہیں اور نئے لوگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم ماضی سے معیار لیتے ہیں اور حال کی زندگی کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں سکون کیسے مل سکتا ہے؛ وہ لوگ چلے گئے، وہ زمانہ بیت گیا، اس کی یاد، حال کو بدحال کر دے گی۔



جو انسان اللہ کی طرف جتنا عروج حاصل کرتا ہے اتنا ہی انسانوں کی خدمت کے لیے پھیلتا ہے۔ عمودی سفر، افقی سفر کے تناسب ہوتا ہے۔ صاحبِ معراج۔ رحمۃ للعالمین ہیں۔



دل افسردہ ہو تو آباد شہر قبرستان لگتے ہیں۔ دل خوش ہو تو قبرستان میں جشن منائے جا سکتے ہیں۔ زندگی خیال کا نام ہے۔ خیال اور عقیدے کی اصلاح ہی زندگی کی اصلاح ہے۔ ہمارے اکثر میلے ہمارے عقیدے اور عقیدت کا اظہار ہیں۔ ہر میلہ، کسی نہ کسی عارف، فقیر کا عرس ہوتا ہے۔ درویشوں کی موت کا دن بھی میلے کا دن ہوتا ہے۔



"جس کو اللہ ہدایت دے وہ گمراہ نہیں ہو سکتا، جس کو اللہ گمراہ کرے وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔" مطلب یہ کہ جو آدمی اپنی ہدایت کو اللہ سے منسوب کرتا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ آدمی جو اپنی گمراہی کو اللہ سے منسوب کرتا ہے وہ ظالم کبھی ہدایت نہیں پا سکتا، کیوں کہ اللہ کسی کو کیوں گمراہ کرے گا؟



انسانوں کے وسیع سمندر میں ہر آدمی ایک جزیرے کی طرح تنہا ہے۔



فقر اور اندیشۂ سود و زیاں کا ایک انسان میں بیک وقت موجود ہونا ایسے ناممکن ہے جیسے چیچک زدہ چہرے کا خوبصورت ہونا۔



ہنسنے والے نے رونے والے سے پوچھا: "کیوں رو رہے ہو؟" اس نے جواباً پوچھا: "تم کیوں ہنس رہے ہو؟" وہ بولا: "مجھے تمہارے رونے پہ ہنسی آ رہی ہے۔" دوسرے نے آہ بھر کر کہا: "مجھے تمہاری ہنسی پر ہی تو رونا آ رہا ہے۔"



اس اندھے کا کیا علاج جو قدم قدم پہ ٹھوکر کھاتا ہے اور اپنے آپ کو اندھا ماننے کے لیے تیار نہیں۔



سب سے بڑا سوال وہ ہے جس کا جواب سائل کے اپنے پاس ہے۔



کسی کے حق پر قبضہ کرنے کے بعد دل سے خوف اور اندیشہ کا نکلنا ناممکن ہے۔ اندیشہ انسان کے عروج کی راہ میں بے بس کر دینے والی رکاوٹ ہے۔



قوم میں وحدت کا شعور پیدا کرنے کے لیے ہر سکول میں سندھی، پشتو اور پنجابی زبانیں لازمی کر دی جائیں۔ انگریزی سکولوں اور دینی مدرسوں کا نصاب یکساں کر دیا جائے۔ ورنہ وہی کچھ ہوتا رہے گا جو ہو رہا ہے۔



اپنے ارد گرد رہنے والوں کو غور سے دیکھا کریں۔ یہ آپ کے کردار کے شاہد ہیں۔ کل یہی لوگ آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف شہادت دیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر میں کام کرنے والا بظاہر بے زبان "گونگا" ملازم، کل "فصیح البیانیاں" اور "رطب اللسانیاں" دکھائے گا۔ آپ کے گھر سے خالی ہاتھ لوٹنے والا اجنبی، ضرورت مند سائل، آپ کے سکون پر راکٹ برسائے گا۔ چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو کبھی چھوٹا نہ سمجھنا۔



سب سے بُری خواہش ہر انسان کو خوش کرنے اور اسے متاثر کرنے کی خواہش ہے' اور اس کی سزا ـــــ یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے نہ خوش۔



سچے کی عزت نہ کرنے والا انسان جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹے کی عزت نہ کرنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہو۔



یادداشت میں محفوظ رہنے والا علم' عارضی ہے۔ یادداشت خود دیرپا نہیں۔ سب سے اچھا علم وہ ہے جو دل میں اتر کر عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔



فقیری شروع ہوتی ہے، بے ضرر ہو جانے سے اور مکمل ہوتی ہے۔ منفعت بخش ہو جانے پہ۔



دھوکا: کسی انسان کو کسی ایسے کام پر راضی کر لینا جس کے انجام سے وہ بے خبر ہے۔

ظُلم: کِسی شے سے اس کی فطرت کے خلاف کام لینا۔

غدّاری: ذاتی مفاد پر ملکی مفاد قربان کرنا۔

منافقت: مومنوں اور کافروں میں بیک وقت مقبول ہونے کی خواہش۔

عاقبت نااندیشی: اپنے گناہوں پر فخر کرنا۔

حماقت: اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا۔

کذب: اپنے آپ کو سب سے کمتر کہنا۔

گمراہی: "تسلیم" اور "تحقیق" دونوں سے بیگانہ ہونا۔

تضاد: امن کی خاطر جنگ لڑنا یا انسانیت کی خدمت کے نام پر انسانوں کو ہلاک کرنا۔



کوئی لمحہ دوبارہ نہیں آتا۔ کوئی دن دوبارہ نہیں آسکتا۔ نہ یومِ پیدائش دوبارہ آتا ہے نہ یومِ وصال ـــــ کسی یوم کو منانے کا تصور ـــ غور طلب ہے۔



اپنی زندگی ہی میں اپنے اپنے مزار کو روشن بنایا جاتا ہے۔ نیک اعمال زندگی میں سکون اور طمانیت پیدا کرتے ہیں اور مرنے کے بعد مزار میں چراغ بن کر روشنی پیدا کرتے ہیں۔ اپنی صفات اور اپنے کردار کی خوشبو، بعدِ مرگ بھی قائم رہتی ہے۔ جن مزاروں پر خوشبو اور چراغ ہوں ان صاحبانِ مزار کی زندگی ضرور نیکی اور خیر کی زندگی ہو گی۔ جن لوگوں کے مزار پر گنبد نظر آتے ہیں وہ لوگ زندگی میں ہی غبارِ راہِ حجاز ہو چکے ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھوں میں خاکِ مدینہ و نجف کا سُرمہ لگ چکا ہوتا ہے۔ ان لوگوں پر سلام ہو۔



گلاب کا نام خوشبو کے پروں پر سفر کرتا ہے۔ گلاب، ذات ہے اور خوشبو صفت۔ ذات اپنی صفات کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔



بدنصیب آدمی اپنے حال پر مستقبل قربان کر دیتا ہے۔ بے وقوف انسان مستقبل کے لیے حال قربان کرتا ہے۔ بامراد انسان مستقبل اور معاد کو محفوظ رکھتے ہوئے حال سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس دنیا میں بہتر زندگی اور آخرت میں بہتر انجام ــ بڑے نصیب کی بات ہے۔



بینائی کمزور ہو جائے تو چہروں کے چراغ مدھم پڑ جاتے ہیں۔



وہ انسان روح کے ویرانے سے نکل نہیں سکتا جس نے ماں باپ کا ادب نہ کیا اور جس کو اولاد سے پیار نہ ہو۔



ایسی دعوت میں جانے کا کیا فائدہ جس میں نہ جانے سے دعوت کی مجموعی کیفیت پر کوئی نمایاں اثر نہ ہو۔



زندگی کے بہتر دور کے بارے میں لوگوں سے پوچھیں تو جواب ملے گا کہ اچھا زمانہ یا گذر چکا ہے یا ابھی آیا ہی نہیں حالانکہ اچھا دور وہ ہے جو آج گزر رہا ہے۔



دوست اور دشمن انسان کی اپنی پسند اور ناپسند کے مظاہر ہیں۔ محبت، نفرت، انسان کے اپنے مزاج کے حصے ہیں۔ جو انسان سراپا محبت ہو اسے دنیا میں کوئی انسان قابلِ نفرت نظر نہیں آتا۔ محبت بھری آنکھ کو محبوب چہرے کا ملنا فطری ہے۔ اپنی نظر ہی نظارے کو حسن بخشتی ہے۔ اپنا دل ہی ہمہ دلبراں ہے۔ اپنا ذائقہ خوراک کو لذیذ بناتا ہے۔ اپنی حقیقت دریافت کریں، کائنات کی حقیقتیں آشکار ہو جائیں گی۔ خود گریزی خدا گریزی بن جاتی ہے۔ خود آگہی خدا آگہی ہے۔ اپنی سماعت کی اصلاح کریں۔ آوازِ دوست بدستور موجود ہے۔ نظر عطا کرنے والا نظاروں میں جلوہ گر ہے۔ ہم جس کے لیے ہیں وہی ہمارے لیے ہے۔ دنیا یا آخرت، مادہ یا رُوح، ظلمات یا نور۔ فیصلہ ہم نے خود کرنا ہے! آسمان سے نور آتا ہے۔ روئی زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ زمین و آسمان کا رشتہ ہمارے دم سے ہے۔ انکار و اقرار ہمارے اپنے نام ہیں۔ بلندی و پستی ہمارے اپنے مقامات ہیں۔ ہم خود ہی گم ہو گئے ہیں۔ اپنی تلاش کریں۔



عاقبت اس وقت کو کہتے ہیں جب محسن اپنی نوازشات کا حساب مانگے۔



طاقت خوف پیدا کرتی ہے، خوف نفرت پیدا کرتا ہے، نفرت بغاوت پیدا کرتی ہے اور بغاوت طاقت کو توڑ دیتی ہے !!



جب تک زندگی موجود ہے نیکی اور بدی کا وجود قائم رہے گا۔ بدی کو مٹا دینا، ناممکن ہے اور نامناسب بھی۔ بدی نے نیکی کے دم سے اصلاح لینی ہے۔ بدی کے دریا میں ڈوبنے والوں کو نیکی کے ساحل پر لانا ہی نیکی کا انتہائی عمل ہے اور یہ عمل بغیر ہمدردی اور محبّت کے ناممکن ہے۔ نیکی کا مزاج مشفق والدین کی طرح ہے اور بدی کا باغی و سرکش اولاد کی طرح !!

خاوند کو غلام بنانے والی بیوی آخر غلام ہی کی تو بیوی کہلاتی ہے! دانا بیوی خاوند کو دیوتا بناتی ہے اور خود دیوی کہلاتی ہے۔



بیدار کر دینے والا غم، غافل کر دینے والی خوشی سے بدرجہا بہتر ہے۔



اپنے دین کی سچائی کو لاٹھی نہ بناؤ۔ اپنے دین کی سچائی کو میزبان بنا کر دوسرے ادیان کی سچائی کو مہمان بناؤ۔ دوسروں کا ذوقِ یقین بھی ان کے اندر وہی یا اس جیسی کیفیت پیدا کر رہا ہے جیسے آپ کے ساتھ آپ کا ذوقِ یقین۔ بڑا دین یا بہت سچا دین، بڑے دریا کی طرح ہوتا ہے جو سب ندی نالوں کو اپنے ساتھ ملا کر سمندر سے واصل کرتا ہے۔ دریا ملا کرتے ہیں، لڑائیاں نہیں کرتے۔



جس ذات کو ہم حُسن سے منسوب کہتے ہیں وہی محبوب ہے۔ محب اور محبوب کے تعلق کو محبت کہتے ہیں۔ اگر خواہشِ تقربِ حسن کو محبت کہا جائے تو انتہائے محبت یہ ہے کہ رضائے محبوب اپنی رضا بن جائے بلکہ محب اپنی صفات سے مٹ کر محبوب کی صفات میں زندہ ہونے کو معراجِ محبت سمجھتا ہے۔ محب بے قرار رہتا ہے قربِ محبوب کے لیے۔ اس کے ماموارت اور منہیات کا خیال کرتا ہے۔ اس کے غیر کو اپنا غیر جانتا ہے۔ اُس کی ہستی میں فنا ہونے کے جذبے کو بقا جانتا ہے۔ حقیقی محبت بوسیلۂ صفات قائم رہتی ہے۔ حقیقت مجاز سے منتج ہے۔ مجاز میں رقیب غیر ہے۔ حقیقت کے سفر میں رقیب قریب ہے اور ہمسفر ہے



ہمارا مقدر اگر مقرر ہو چکا ہے تو گناہ کیا ہے ؟ گناہ مقدر ہوتا تو گناہ کی سزا کبھی نہ ہوتی۔ ایک چور نے باغ سے پھل چرایا، پکڑا گیا۔ بولا: "اللہ کے حکم سے، اللہ کے بندے نے اللہ کے باغ سے پھل توڑا ہے۔" مالک بولا: "اللہ کے دوسرے حکم سے اللہ کا دوسرا بندہ، پہلے بندے کے سر پر لاٹھی مارنے کا حق رکھتا ہے۔ چوری حکم ہے تو لاٹھی اور سر کی ملاقات بھی حکم ہی ہے۔"



زمان و مکاں سے بے نیاز ہو کر خالقِ کون و مکاں کی تسبیح کرنے والے ہی حقیقی معنوں میں خلافتِ الٰہیہ کے حقدار کہلا سکتے ہیں۔



تاریخی عمارتوں اور شاہی محلات سے نگینے چرانے والے نہ ویسی عمارتیں بنا سکے نہ ویسے محلات۔ ستارے آسمانوں پر ہی خوبصورت لگتے ہیں۔ مضامین فقروں سے نہیں بنتے، فقرے مضامین سے پیدا ہوتے ہیں۔



ایسے علم کا کیا فائدہ، جو صاحبِ علم کو سکون نہ دے سکے اور نہ اس کی ضروریات مہیا کر سکے۔ ایسے علم سے نجات کی دعا کرنی چاہیے۔



بادشاہ فقیر کا قرب چاہے تو اس کی خوش نصیبی ہے۔ فقیر بادشاہ کا تقرب مانگے تو اس کی بدنصیبی



جس نے موت کا راز جان لیا وہ زندگی کے انقلابات سے متاثر نہیں ہوتا اور جس نے زندگی کا راز جان لیا اس کو موت کی کارفرمائیاں مایوس نہیں کر سکتیں۔ جس نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا اسے حقیقت کی سمجھ آگئی۔



فقیر، اللہ کی ذات کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ سورج کا ثبوت صرف دیکھنے والے کی آنکھ ہی مہیا کر سکتی ہے۔



ہماری زندگی کنوئیں کے مینڈک کی طرح محدود دائرے میں گردش کرتی ہے۔ ہم انسانوں کی محدود تعداد سے آشنا ہیں۔ ہماری زندگی محدود حرکات سے گزرتی ہے۔ ہم محدود علم رکھتے ہیں۔ ہم لائبریری میں عمر بسر کر سکتے ہیں لیکن لائبریری کو پڑھ نہیں سکتے۔ ہم اپنے گھر کے افراد سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے۔ محلّے کے مکانوں سے، شہر کے محلوں سے، ملک کے شہروں سے، دنیا کے ممالک سے اور کائنات کی دنیاؤں سے کیسے آگاہ ہوں گے اور پھر خالقِ کائنات ہمارے علم کی رسائی میں آنے والی بات نہیں۔ بس وہ کیا ہے، صرف وہی جانتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔



تقدیر، تدبیر شکن ہوتی ہے؛ مقدر وہ جو ہو کر رہے؛ خوش قسمتی وہ حاصل ہے جو حق سے زیادہ ہو؛ عبرت بداعمالی کا نتیجہ ہے اور توبہ اعمال کی عبرت سے نجات دلاتی ہے۔



لوگ تو ہماری خوشی میں شریک نہیں ہوتے، غم میں کون شریک ہوگا۔



مومن کی خوشی کا چراغ بجھ جائے تو کافر کے گھر میں گھی کے چراغ جلتے ہیں۔



اسلام مسلمانوں کے علم کا نام نہیں۔ اُن کے عمل کا نام ہے۔ یعنی اسلام بولنے والی بات نہیں، کرنے والا کام ہے۔



نظر آنے والی ہر شے محسوس نہیں ہو سکتی۔ ہر محسوس ہونے والی شے نظر نہیں آ سکتی۔



ایک بیج میں کتنا بڑا درخت ہوتا ہے۔ درخت میں کتنے ہی بیج ہوتے ہیں۔ گویا ایک بیج میں ان گنت بیج ہیں اور اسی طرح ایک درخت میں لاتعداد درخت ہیں۔ غور کرنے والی بات ہے ـــ قطرے میں قلزم اور قلزم میں قطرے۔



جس انسان کے دل میں روشنی نہ ہو وہ چراغوں کے میلے سے کیا حاصل کرے گا؟



اپنی اولاد کو ہم بہت کچھ سمجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتی۔ ہماری اولاد بھی ہمیں بہت کچھ سمجھانا چاہتی ہے لیکن ہم نہیں سمجھتے۔



جس کو زندگی میں کوئی سچا گرو نہ ملا ہو اس جھوٹے چیلے کو بدنصیب نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟



گزرا ہوا زمانہ انسان کے چہرے پر بہت کچھ لکھ جاتا ہے۔ مسافر کے چہرے پر گردِ سفر اس کے سفر کا حال بتا دیتی ہے





